

مَعارفِ ملّت

جلد سوم

اِس سلسلہ کے تینوں سٹوں کی نو کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدی خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس سنانی۔ جام باغ۔ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لہاری دروازہ۔ لاہور

سلسلۂ منتخباتِ نظمِ اُردو

معارفِ ملّت

مرتّبہ

محمد الیاس برنی ام اے ال ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)

مُعلّمِ معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن

جلدِ سوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ ۱۳۴۰ھ علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۹۲۲ء

بار دوم

۵۰۰ جلد

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی
حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار
کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود
فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بےخبر شاعری کی دھن میں مست تھے
شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بےشمار نظم نگار نکل پڑے
آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر
اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا۔
چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا
کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق

وعادات کی کیا گت بنی جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جو کہ پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی، حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی

شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہی۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہی ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہی۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہی۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہی اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہی۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہی کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کرکے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہی۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہی، ذوق سلیم پیدا ہوتا ہی اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہی۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب

کلام بھی شائع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار
رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ
رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں
سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور
کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے
شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ ہے
حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں
اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں اسی طرح جذبات
کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو
شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام یاس
اور یاس انگیز ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش،
فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن
ہے کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی

یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے۔ کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑ جائیں اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پیدا ہو۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر نقاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دُور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر منہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجائش ہے اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخباتِ نظمِ اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے

اس کے تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملّت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات و واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں یعنی

پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے انھی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سخن نگار
قلم کیسے کیسے انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقائے
شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہونگی پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر
نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر
بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باینہمہ ان کی ضیافت طبع
کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچے
ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش
نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا
حسب صلاحیت ان کو از سر نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں
کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ
ہر نظم کا تنوع معنی ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو۔ یہ سب اہتمام کیا تب
کہیں جا کے یہ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آئندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب

ہوگا، ہر حصّہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی اُمید ہی کہ اس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی، اس سلسلہ کی جلدوں کو اپنی قابلانہ رہایوں سے مزین فرمایا اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنونِ احسان ہی۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کرے گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جولائی ۱۹۱۹ء — الیاس برنی

تمہیدِ دوم

خدا کا شکر ہے کہ ملک میں اس سلسلہ کی اُمید سے بڑھکر قدر ہوئی۔ معزز اخباروں اور ممتاز ادیبوں نے گرمجوشی سے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور بالاتفاق اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا۔ اس کے شائع ہوتے ہی بلا مُبالغہ فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اکثر صوبوں کے مدارس میں نصاب۔ انعام اور کتب خانوں کے واسطے اس سلسلہ کی کتابیں منتخب اور منظور ہوگئیں۔ غرض ہر طریق سے اُردو خواں پبلک کی دلچسپی اور قدردانی سلسلہ کے متعلق روز افزوں نظر آتی ہے اس ہمّت افزائی نے قدرتًا نئے سِٹوں کی تالیف وطبع کی رفتار تیز کردی چنانچہ سنہ ۱۹۱۹ء میں پہلا اور سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن نکل آئے۔ اسی دوران میں اور مواد فراہم ہوتا رہا۔ اُمید ہے کہ چوتھا سٹ بھی سال آیندہ شائع ہوجائے گا۔ انشاءاللہ۔

تمہید دوم

پہلے دو سٹوں میں انتخاب اور ترتیب کی مدد سے ہر جداگانہ نظم سے ایک مستقل مضمون نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ تیسرے سٹ میں جدت گری نے اور بھی زیادہ آزادی برتی ہے یعنی ایک ہی نظم کے طور پر اسی شاعر کے متفرق اشعار اس طرح ترتیب دیئے ہیں کہ ان کے اجتماع سے نئے نئے لطیف مضامین مترشح ہونے لگے اور خود شاعر کے ارتقار تخیل کے عجیب و غریب نقشے پیش نظر ہوگئے۔ انتخاب اور ترتیب کے فن میں اس جدت سے بہت کچھ کام بننے کی امید ہے اور یقین ہے کہ یہ طریق بہت مقبول ہوگا۔ بطور تمثیل جذبات فطرت جلد سوم میں بعض نظمیں بالخصوص ۱ میر تقی میر ۲ کلام میر ۱۳ شکایت الفت ۴۱ نگاہ الفت ۴۲ آرزوئے الفت ۴۴ خواب عاشق ۴۶ بے زبانی ۴۷ قاصد ۴۸ کیفیت عشق ۵۰ راز عشق ۴۶ کوئے یار ۶۷ گل و بلبل قابل ملاحظہ ہیں۔

خدا کو منظور ہے تو یہ سلسلہ اردو شاعری کے موتی جواہر کا خزانہ شمار ہوگا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعۂ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن

الیاس برنی

اکتوبر ۱۹۳۲ء

مَعارفِ ملّت

جلد سوم

فہرستِ مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی
اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

صفحہ

صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ ملّت

۱- حمد

تو خالقِ ارض و سما تو حاکمِ قدرت نما
ہی حکم تیرا جا بجا لے عرش تا تحت الثریٰ

برتر مقدس، ذو العلا، بندے ترے شاہ و گدا
دُنیا و دیں کی یا خدا برحق تجھی کو ہی روا

فرمانروائی، حاکمی، شاہی خدائی سروری

تو قادرِ سُبحان ہی اقدس مُعلّا شان ہی
خالق ہی اور رحمٰن ہی رزّاق اور منّان ہی

تیرا کرم ہر آن ہی احسانِ بے پایان ہی
ہم کو یہی شایان ہی جب تک بدن میں جان ہی

ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جلدسوم ہے تو ہی رب العلمین اور تو ہی خیر الراحمین یکتائی ہے تیرے تئیں ہمسر ترا کوئی نہیں
لے آسماں سے تا زمیں ہیں سب عبادت آفریں ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے باصدق و یقین
ہوگی ترے ہی فضل سے ہرجا مری کھوٹی کھری

نظیر

۲۔ عبادت

دلا تو کہنے کو میرے یقین جان میاں جو بات تجھ سے کہوں میں اسی کو مان میاں
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمان میاں دہن میں پھرتی ہے جب تک تری زبان میاں
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں

ملی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے یہ چند روز ہے لے جان جاودانی ہے
عبادت اس کی یہاں دل میں جس نے ٹھانی ہے اسی کو دونوں جہاں بیچ شادمانی ہے
وہی تو کر جو رہے تو بھی شادمان میاں

جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگاوے گا تو یاں بھی خوش رہے گا واں بھی خوش تو ہو جاوے گا
ہزاروں فائدے دلخواہ اس میں پاوے گا اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنوا دے گا
تو اس میں ہوگا نہایت ترا زیان میاں

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ بہارِ باغِ عنایاتِ ذوالمنن کو دیکھ
ریاضِ رُوح کو اور گلستانِ تن کو دیکھ نعیم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکراں میاں

کرے گناہ جو رنج و عذاب دیکھے گا بروزِ حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا
اگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا
ہمیشہ حُسنِ عمل سے لگا تو دھیان میاں

یہ زندگی ہی غنیمت اسے تو مفت نہ کھو خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
یہ دنیا مزرعِ عقبیٰ ہی اس میں نیکی بو کہا نظیرؔ نے جو کچھ تو یاد رکھ اُس کو
اسی میں تیری سعادت کا ہی نشاں میاں

نظیر

۳ - توکُّل

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے اور دردِ دل کا اپنے کسی کو تو مت سُنائے
مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے مشہور یہ مثل ہی کہوں کیا میں تجھ سے ہائے
غیرِ خدا کے کس میں ہی قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

مدسوم

قادر قدیر خالق و حاکم حلیم ہے — مالک ملیک حق توانا قدیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے — یعنی اسی کا نام غفور الرحیم ہے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اس کے سوا کسی کے کنے گر تو جائے گا — اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہوکے یونہی تو خالی پھر آئے گا — بن حکم اس کے یار تو اک جو نہ پائے گا
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے — اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چھپائے
بن حکم اس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے — گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پائے
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس — محتاجگی سے آپ وہ بیٹھا ہے جی اداس
ماں باپ یار دوست جگر سب سے ہو نراس — ہر دم اسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
اللہ ہی بس غنی ہے میاں اور ہیں سب فقیر جلد سوم
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر
جو مانگنا ہو اس سے ہی مانگو میاں نظیرؔ
غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نظیرؔ

۴۔ راضی برضا

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں ہر دام میں ہر جال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں
بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں
افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملالت نہ جگر میں اثرِ غم
ماتھے پہ کہیں چین نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئے نم
غم میں بھی وہی عیش الم میں بھی وہی دم
ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

جلد سوم
جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم — یکساں ہے انھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اک دم — نہ شب کی مصیبت نہ کبھی روز کا ماتم
دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیر آہ — اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیر آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیر آہ — ہر وقت میں ہر آن میں خرم ہیں نظیر آہ
جس ڈھال میں رکھا وہ اسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

نظیر

۵۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْن

ہیں عاشق اور معشوق جہاں وہاں شاہ وزیری ہے بابا
نہ رونا ہے نہ دھونا ہے نہ درد اسیری ہے بابا
دن رات بہاریں چہلیں ہیں اور عشق صغیری ہے بابا
جو عاشق ہوئے سو جانے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
یہاں جتنا رنج و تردد ہے ہم ایک سے بھی آگاہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

کچھ ظلم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں اس دلبر کی پھلواری ہے
کہیں سبزی کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے

دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور آس اسی کی بھاری ہے
بس آپ ہی وہ داتاری ہے اور آپ ہی وہ بھنڈاری ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نت عشرت ہے نت فرحت ہے نت راحت ہے نت شادی ہے
نت مہر و کرم ہے دلبر کا نت خوبی خوب مُرادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارکبادی ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہم چاکر جس کے حُسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلیٰ ہے
اس نے ہی ہم کو جی بخشا اس نے ہی ہم کو پالا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا متوالا ہے
کیا کہیے اور نظیرؔ آگے اب کون سمجھنے والا ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

۶۔ معرفت

کہہ دیا میں نے کہ "ہوں" اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا؟
اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیئے

ہستیِ بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا
نفس سے حرص آ گئی ہوش نے "میں" بتا دیا

نفس نے کہدیا غلط عقل نے بھی ملائی ہاں
منزلِ ذوقِ رُوح کا دل نے اگر پتا دیا

چشمِ خرد سے عار تھا حُسن جنوں پسند کو
عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجاب اُٹھا دیا

مجھے کیا خبر یہ ہے کیا اثر نہ وہ ہوش ہے نہ وہ جان ہے
فقط اک نظر ہے جہان پر نہ خیال ہے نہ زبان ہے

نہ دماغ صرفِ رہِ نظر۔ نہ دلیل باعثِ دردِ سر
وہی جوشِ لذّتِ دید ہے نہ قیاس ہے نہ گمان ہے

نہ یہاں حدوں کا نشاں کہیں نہ محلِ حروفِ بیاں کہیں
مرا عشق ہے ترا حُسن ہے۔ مری آنکھ ہے تری شان ہے

اکبر

۷۔ معرفت

ہر اک شی میں سمجھ تو ظہور کس کا ہے
شرر میں روشنی شعلے میں نور کس کا ہے
دماغ خلق پُر از کبر ہے میں حیراں ہوں
یہ مشتِ خاک میں اتنا غرور کس کا ہے

سودا

۸۔ وحدت

ہے قابلِ حمد وہ سرانداز
جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز

اس کو مے حسن نے چھکایا
ہستی کا نشہ اسی سے پایا

پی اس نے شرابِ خود پرستی
طاری ہوئی اس پہ زورِ مستی

وہ مستِ شرابِ ناز ہے فرد
خورشید ہے اس کا جام پرورد

ہے گردشِ چشم اس سے افسوں
پھر جاتے ہیں جس کے ساتھ گردوں

ظلمت ہے دوئی کی تجھسے احول
آخر ہے وہی، وہی ہے اول

عالم ہے قرابۂ مے خام
ہے دورِ سپہر گردشِ جام

مشہور جہاں جو کیف و کم ہے — بے نشہ جو ہوئے تو ستم ہے
وہ مست نیاز ہی حرم میں — وہ رفتۂ ناز ہی صنم میں
ہی آبِ رُخِ زمانہ اس سے — روشن ہی تمام خانہ اس سے
شمشاد ہی سر فراز اس سے — گُل دیدۂ نسیم باز اس سے
خوگر اسے ناز پیشگی ہے — وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے
جو عکس پڑا ہی جام مے میں — آتی ہے صدا اسی کی نے میں
ہی جلوہ گری میں یاں بصد ناز — وہ مست گزارۂ و سر انداز
سو رنگ ہیں اس کے یاد رکھ تو — ہر جلوے سے دل کو شاد رکھ تو

کم میں جو کچھ نمود میں ہی
ہر لحظہ اسے سجود میں ہے

میر

۹- معرفت

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں — جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں
مہر ہر ذرے میں مجھ کو ہی نظر آتا ہی — تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں ہی کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں

سودا

۱۰۔ معرفت

مشامِ بلبل میں عطرِ گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے
ابھی تو نامِ خدا ہے غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے

شہیدی اتنی ہو اپرستی نشہ میں بیٹھا ہے بھولے ہستی
ہوئی ہے جس مے کی تجھکو مستی وہ تا گلو بھی نہیں گئی ہے

شہیدی

۱۱۔ شوق

گر بادیے میں تجھکو صبا لے کے جائے شوق
مجنوں کو میری اور سے کہیو دعائے شوق

وصل و جدائی سے ہے مبرّا وہ کام جاں
معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں یاں سوائے شوق

ہر جا پر اُڑا اُڑتی پھرے ہے ہماری خاک سر سے گئی نہ جی بھی گئے پر ہوائے شوق

دیر و حرم میں ہم کو پھرا تا ہے دیر تک پھر بھی ہمارے ساتھ وہی ہے ادائے شوق

افسوس ایسے کوچے سے تم آشنا نہیں کیا درد ناک نے بھی کوئی ہے نوائے شوق

درد اور آہ و نالہ کرے ہے دمِ سحر یک مشت پر ہے مرغِ گلستاں بپائے شوق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو مہر
مرنا ہی اہلِ درد کا ہے انتہائے شوق

[illegible]

۱۴۔ دل

طریقِ عشق میں ہے رہنما دل پیمبر دل ہے قبلہ دل خدا دل

گئے وحشت سے باغ و راغ میں تھے کہیں ٹھیرا نہ دنیا سے اٹھا دل

اسیری میں تو کچھ واشد کبھو تھی رہا غمگیں ہوا جب سے رہا دل

ہوا پژمردہ بے صبر و بے تاب
کرے گا اس طرح کب تک وفا دل

چُپ رہ اب نالوں سے اے بلبل نہ کر آزارِ دل کم دماغی ہے بہت مجھکو کہ ہوں بیمارِ دل

جلد سوم

ابتدائے ضبط میں ہونا تدارک کچھ تو تھا — اب کوئی سنبھلے ہے مجھ سے وحشتِ بسیارِ دل

باغ سے لی دشت تک رکھتی ہیں اک شورِ عجب — ہم اسیرانِ قفس کے نالہائے زارِ دل

یک توجہ میں رہی ہے سیر اس کی عرش پر

عقل میں آتے نہیں ہیں طرفہ طرفہ کارِ دل

ماہیّتِ دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے — ایک قطرہ خوں یہ دل کا طوفاں ہے ہمارا

کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آوے

گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا

قصرِ جناں تو ہم نے دیکھا نہیں جو کہئے — شاید نہ ہوئے دل سا کوئی مکاں زمیں پر

نہ تنگ کر اسے اے فکرِ روزگار کہ میں — دل اس سے دم کے لئے مستعار لایا ہوں

میر

۱۴۔ کسی کا جلوہ

کبھو غرقِ بحرِ تحیّر رہوں — کبھو سر بجیبِ تفکّر رہوں

وہی جلوہ ہر آن کے ساتھ تھا — تصوّر مری جان کے ساتھ تھا

اسے دیکھوں جیدھر کروں میں نگہ — وہی ایک صورت ہزاروں جگہ
کہیں مہ کا آئینہ در دست ہے — کہیں بادۂ حسن سے مست ہے
کہیں دلبری اس کو درپیش ہے — کہیں مائلِ خوبیِ خویش ہے
سراپا میں جس جا نظر کیجیے — وہیں عمر اپنی بسر کیجیے

دلِ خو پذیرِ وصالِ دوام
رہے خواب میں روز و شب صبح و شام

میر

۱۴۔ معرفت

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا
ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا دم الٹ جانا

اک پردۂ ہستی نہ رہا جوں نظر آیا — وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا
اس مہر پرانوار سے شبنم کی طرح ہم — گم ہو گئے ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

نظیر

۱۵۔ مئے بیخودی

ہو صرفِ شراب کاش ساقی یہ شیشۂ عمر ہے جو باقی
ہیں قابلِ سیر خرقہ پوشاں دریا دلی شراب نوشاں
کہتے گئے صاحبِ کرامات ہم بھی نہیں قابلِ خرابات
جو لوگ کہ اس جگہ سے اُٹھے کب حلقۂ خانقہ سے اُٹھے
یاں پیتے ہیں جام بیخودی کا ہے دَورِ تمام بیخودی کا
ازخود شدن اک مقام ہیگا وہ مرتبہ یاں مدام ہیگا
بیخود ہو کہ یہ حجاب اُٹھے دل یاں سے کہیں شتاب اُٹھے
پہنچیں ہیں خدا کو بیخودی سے پاتے ہیں خدا کو بیخودی سے
پی جرعہ و ہوش کو دُعا کہہ ہر بادہ فروش کو دعا کہہ

جو شش میں ہے بادۂ کہن سال
عبرت ہو جسے خوش اس کا احوال

اب دل میں مرے بھی جوش آیا اب وقتِ وداعِ ہوش آیا
مستی کی مجھے بھی خواہشیں ہیں اس عقل سے دل کو کاہشیں ہیں

کھینچوں میں کہاں تلک دمِ سرد ساقی وہ شراب شعلہ پرورد
وہ داروئے دردِ بیصبوراں وہ مایۂ نورِ چشم کوراں
سرمایۂ عمرِ جاودانی یعنی وہی آبِ زندگانی
وہ جس سی غبار دل سے دھوؤں مینا کے گلے سے مل کے روؤں
وہ موجبِ دل خوشی کہاں ہے وہ داروئے بیہشی کہاں ہے
لا اس کو جو آستین جھاڑوں پھر ہاتھ چلے تو جیب پھاڑوں
بیہوش شرابِ ناب رہیئے یوں تا بجا کباب رہیئے

ہی مستیِ بیخودی ضروری
کھل جائے مقامِ بے شعوری

دل غم سے بھرا ہے زور میرا تا عرش گیا ہے شور میرا
ہی دل میں کہ گل کی آرزو ہو شیشہ ہو بغل میں اور تو ہو
ہر گام پہ لغزشِ قدم ہو تکلیف شراب دمبدم ہو
جب سجدہ کناں ہوں صبح خیزاں جب کاکلِ صبح ہو پریشاں
جب نکلے ستارۂ سحرگہ کر نعرۂ الصبوح یک رہ
ہی ذوقِ شرابِ صبح گاہی بے لطف نہیں ہی روسیاہی

شیشہ مرے منہ کو تو لگا دے | کر ایسی نگاہ جو چھکا دے
جب بیخودی تمام آوے | سر پر مرے ہوش رو کے جاوے
رخصت ہے تجھے کہ میں نہوں گا | بیہوش و خرد ہی پھر رہوں گا

چیتا تو کروں گا شکر تیرا

ہو ورنہ قبول عذر میرا

کیا میں نے شراب تو نے پی ہے | بیہودہ یہ گفتگو کی ہے
تو کاہے کو اتنا ہرزہ گو تھا | کب ورگرد شراب تو تھا
بس ہے سے زباں کو اب نہ تر کر | مستی سخن پہ ٹک نظر کر

ہے نشۂ سامعہ دوبالا

پھر حرف نہ جائے گا سنبھالا

میر

۱۶- اسرارِ عشق

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق | حق اگر سمجھو تو خدا ہی عشق
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ | عشق بن تم کو کہیں ہے کچھ

عشق تھا جو رسول ہو آیا | اس نے پیغامِ عشق پہنچایا
عشق حق ہی کہیں نبی ہی کہیں | ہے محمدؐ کہیں علیؓ ہے کہیں
عشق عالی جناب رکھتا ہی | جبرئیل و کتاب رکھتا ہے
عشق حاضر ہی عشق غائب ہی | عشق ہی مظہرِ عجائب ہی
مجھسے یہ پوچھ مت کہیں ہی عشق | عشق ہی انھیں کو جنھیں ہے عشق
جب پتنگا ہوا تھا اُس سے داغ | تب دیا جی کو اپنے پیشِ چراغ
عشق کی فاختہ ستمکش ہی | عشق سے عندلیب دلکش ہے
عشق سے قمری ہی حریفِ سرو | مد سے آنکھیں لڑا رہی ہی تدرو
عشق سے دلفگار سارے ہیں | اس نے کیا کیا جوان مارے ہیں
ایکوں کا جیب تا بداماں چاک | ایک ڈالے ہی سر کے اوپر خاک
ایک کا شیوہ اس سے نالہ کشی | ایک کو بیدمی سے ہے جیسے غشی
ایک کے پھول گل پہ نالے ہیں | ایک کی جان ہی کے لالے ہیں
چپ لگی ہی کسو کو اس کی سبب | بند رہتے نہیں کسو کے لب
کوئی باتیں کری ہی شوق کے ساتھ | کوئی چپکا ہو لہے ذوق کے ساتھ
کسو کو فکر کوئی ذاکر ہے | کوئی صابر ہی کوئی شاکر ہی

سیر قابل ہیں ان کے دیوانے   سُننے کی گوں ہیں ان کے افسانے

شان ارفع ہی جن کی خوار ہیں یاں

عقل والے جنوں شعار ہیں یاں

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق   حق شناسوں کے ہاں خدا ہی عشق

عشق سے جا نہیں کوئی خالی   دل سے لے عرش تک بھرا ہی عشق

کون مقصد کو عشق بن پہنچا   آرزو عشق مدعا ہی عشق

اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل

عشق کے درد کی دوا ہے عشق

ارض و سما میں عشق ہے سارا چاروں اور بھرا ہے عشق

ہم ہیں جناب عشق کے بندے نزدیک اپنے خدا ہی عشق

ظاہر باطن اوّل آخر پائیں بالا عشق ہی سب

نور و ظلمت معنی صورت سب کچھ آپ ہی ہوا ہے عشق

میر

۱۷- رموزِ وحدت

آنکھیں جو ہوں تو عین ہی مقصود ہر جگہ   بالذات ہی جہاں میں وہ موجود ہر جگہ
واقف ہوں شانِ بندگی سے قید قبلہ کیا   سر ہے کہیں جھکا کہ ہی محبوب ہر جگہ

گہ گل ہی گاہ رنگ گے باغ کی ہے بو   آتا نہیں نظر وہ طرحدار ایک طرح
نیرنگِ حسنِ دوست سے کر آنکھیں آشنا   ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح

ہے ما سوا کیا جو میر کہئے   آگاہ سارے اس سے ہیں آگاہ
جلوے ہیں اس کے شانیں ہیں اس کی   کیا روز کیا خور کیا رات کیا ماہ
ظاہر کہ باطن اوّل کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

گوش کو ہوش کی ٹک کھول کر سن شورِ جہاں   سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہی ایک

مظاہر سے اس کے ہیں ظاہر وہ   مختلف ہی یاں جو چھپاتے ہیں لوگ

جلد سوم

عجب کی جگہ ہے کہ اس کی جگہ ہماری تمہیں ہی بتاتے ہیں لوگ

ہیں ہم تو کھوئے گئے سے سدا

کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ

تری یاد کس سے خبر پائیے وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے

ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا ہم نہ ہو ویں تو پھر حجاب کہاں

ملا آرزو نے بندہ کر دیا ہم کو وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتے

الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش ہمیں تو شرم دامنگیر ہوتی ہے خدا ہوتے

نہ کھینچیں کیونکہ نقصاں ہم تو قیدی ہیں تعین کے خودی سے کوئی نکلے تو اسے ہوئے خدا حاصل

پھر امت میر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں

سنے کوئی تو کچھ کہیے بھی ایسے کہنے کا حاصل

میر

جلد سوم

۱۵۔ عارف کی زاہد سے چھیڑ چھاڑ

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا

غالب تو یہی زاہد رحمت سے دور ہو وے درکار واں گنہ ہیں یاں بے گناہیاں ہیں

پشیمان توبہ سے ہوگا عدم میں کہ غافل چلا شیخ لطفِ ہوا سے

شیخ بڑے محراب حرم میں پہروں دوگانا پڑھتے رہیں
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں
میل گرائی طبع کو اپنی کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میر
دو عالم کو مانگ کے لا دیں ہم جو تنک ابرام کریں

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا

نہ کہو کہ شیخ توکل کو اختیار کریں زمانہ ہوئے مساعد تو روزگار کریں

جلد سوم
کہیں تو ہیں کہ عبث میرؔ دے دیا جی کو
خدا ہی جانے کہ کیا جی میں اس کے آئی ہو

درد ہے خود ہی خود دوا ہے عشق
شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق

نگاہِ مست نے اس کی لٹائی خانقہ ساری
پڑا ہے برہم اب تک کارخانہ زہد و طاعت کا

شیخ کے آتے ہی کی دیر ہے میخانہ میں پھر
سبحہ سجادہ کہاں جبہ و دستار کہاں

دیر میں کعبہ گیا میں خانقہ سے اب کی بار
راہ سے میخانہ کی اس راہ میں کچھ پھیر تھا

اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو میخانہ سے
جلد پھر پہنچیو اے میرؔ خدا کو سونپا

نہ ہو یوں میکدہ مسجد ما پر دانِ ہوش جاتی ہیں
ہوا ہے دونوں جا گہ ایک دو باری گزار لینا

پیری میں میر کے لئے کیا کیا رہی گی ننگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

سہل ہے میر کا سمجھنا کیا　　ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے　　جلد سوم

میر صاحب کا ہر سخن ہے رمز

بے حقیقت ہے شیخ کیا جانے

میر

۱۹- ہدایت

یہ کہنے لگا مجھ سے وہ عرش جاہ　　یہاں آنے کی ایک اقرب ہے راہ

اسی راہ سے اس کو لانا ادھر　　کہ ہو منزلوں کی اسے سب خبر

یہ کہنا تو اس سے کہ سب چھوڑ کر　　ادھر آ طلسمِ خودی توڑ کر

جسے چاہتے ہیں بلاتے ہیں ہم　　نظر کردہ اپنا بناتے ہیں ہم

یہ لے اس کو دینا تو لوحِ یقیں　　بتا دے گی منزل کا یہ سب کہیں

مقامِ اوّل اس کا ہے بابِ مجاز　　یہ کہنا کھلے گا وہاں علمِ راز

ہدایت کرے لوح جس بات کی　　وہاں تجھکو انسب ہے کرنا وہی

جو وادیِ حیرت کی حد آئے گی

تو یہ لوح آئینہ بن جائے گی

نہ دیکھے گا کوئی تو اپنے سوا　　انا الحق کی ہر سمت ہو گی صدا

جلد سوم وہاں سے جو گزرے گا ہو دشت ہو | نظر آئے گا ایک ہی چار سو
جو کچھ حق ہی دیکھے گا تو بس وہاں | نہ ہوگا کوئی واسطہ درمیاں
وہاں سے بڑھ آگے ہی سرزمیں | نہیں کے یہاں تجھسے پہلے ہیں
یہاں تیری نظروں میں اسے مدعا | رہے گا نہ کوئی ہمارے سوا
بس اک عالمِ قدس ہوگا یہاں | تعدد نہ تمیز کا کچھ نشاں

نہیں منزلِ عشق میں اختتام
ہیں دکھلانے پر تجھکو سارے مقام

بلبنظیر

۲۰۔ رازو نیاز

پلا ساقیا بادۂ وصلِ یار | کہ ہو چودھویں شب کی دونی بہار
دیئے جا وہی مایۂ اختصاص | ازل سے ہوں میں تیرا محبوبِ خاص
چھکا مجھکو جامِ بشارت سے آج | بنا کامل اپنی عنایت سے آج
وہ بھیگی ہوئی آبِ رحمت سے رات | کہ تردامنوں کی ہو جس سے نجات
وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا | وہ اشجار و آبِ رواں کی صفا

نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں — وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں جلد سوم
وہ ہر سمت چھایا ہُوا نورِ بدر — وہ شب لیلۃ القدر کو جس کی قدر
بھری نور سے ڈالی ڈالی تمام — وہ اغیار سے بزم خالی تمام

نہ کوئی مصاحب نہ کوئی مشیر
حضوری میں حاضر فقط بےنظیر

محبت دوئی کو مٹانے لگی — تکلف کا پردہ اُٹھانے لگی
بنا بسترِ عیشِ حُسنِ قبول — بچھانے لگی شوخئے ناز پھول
چمکنے لگا چہرہ اُمید کا — نگاہوں میں رنگ آگیا دید کا
کلی آرزو کی چٹکنے لگی — وفا پنکھڑی سی مہکنے لگی
تمنائیں ہمدم بنیں شوق کی — مُرادوں میں بُو آگئی ذوق کی
ملی تازہ بُو گیسوئے یار کی — کٹیں بیڑیاں بندِ افکار کی
ہوس دل میں پہلو بدلنے لگی — نکلنے کو حسرت مچلنے لگی
سکوں دردِ دل سے ہوا ہمکنار — تسلی ہوئی مونسِ جانِ زار

طرب آکے تشویش کھونے لگی
بغلگیر تسکین ہونے لگی

جلد سوم

ہوا شوق کا ضبط پر دسترس
بڑھا جوش میں آکے دستِ ہوس

یقیں نے اُٹھائی گماں کی نقاب
نظر آئی ہر آرزو بے حجاب

شک و ریب روپوش ہونے لگے
مقاصد ہم آغوش ہونے لگے

بڑھا گرمیٔ شوق سے ساز باز
عرق بن کے ٹپکا جبیں سے نیاز

طبیعت کی شوخی بڑھی دمبدم
رُکاوٹ کی باتیں ہوئی کالعدم

ملا ساز تقدیر سے سازِ وصل
بجا پردہ میں نغمۂ رازِ وصل

فرح بخش توفیق ہونے لگی
تصور کی تصدیق ہونے لگی

نہ باقی رہی دل میں کوئی ہوس
عنایت پکاری کہ اللہ بس

یہ سن کر بنا خود فراموش وہ
ہوا جوشِ مستی سے بیہوش وہ

بلنطیر

۲۱- عالمِ قدس

وہ اک شہر ہی روضۃ القدس نام
سراسر صفا جانِ خوبی تمام

مکانات اہلِ صفا کے ضمیر
تجلی ہوئی خشت ماہِ منیر

عمارات حیرت فزائے ملوک

مکانوں میں نقشِ ازل کی نشست
وہ رفعت کہ ہو اوجِ اندیشہ پست

وہ دیواریں آئینہ با آب و تاب
جو دل سے اُٹھا دیں دوئی کا حجاب

نہ پھر کیوں ہوں وہ راحت ایجاد میں
کہ ہو اصلِ حق جن کی بنیاد میں

لی آب رحمت سے عالم کی جاں
گلا بہ بنا اس کا جب بے گماں

لگائے دلِ عارفاں جائے خشت
ہوئی صرف تحریر میں سرنوشت

پڑا سُرخی میں رنگِ مہرِ جمال
سفیدی میں کا نورِ صبحِ جلال

بلندی کو لازم تھی پستی جہاں
تو لی عشق کی خاکساری وہاں

جہاں تھی مناسب نمودِ فراز
وہاں صرف کی رفعتِ کبر و ناز

دیا عرض اگر بحرِ اُمید کا
تو ہے طول بھی حسرتِ دید کا

نہ کس طرح مضبوط ہوں پھر جہات
ہی کرسی مکانوں کی پائے ثبات

ہر اک کنگرہ ہے سرا اوجِ کمال
ہر اک آستاں عرشِ جاہ و جلال

پناہِ غریباں درِ ارجمند
عصائے ضعیفاں ستونِ بلند

محافظ ہر اک در کا پیکِ حیات
وہ ہر اک دروازہ بابِ نجات

ہر اک گوشہ میں راز کا بند و بست
ہر اک کمرہ خلوت سرائے الست

جلد سوم

قضا و قدر نام معمار کا
توکّل وہاں پشتۂ دیوار کا

بھرا کوٹ کر ہر طرف رنگِ عشق
وہ شفّاف دیواریں از رنگِ عشق

جو خالی رہی جائے اہلِ نیاز
بھرا اس میں خونِ شہیدانِ ناز

مکانوں میں ہر سو وہ نورِ اُمید
کہ بختِ سیہ بھی وہاں ہو سپید

چراغِ رضا سے جو روشن ہیں گھر
ہے تسلیم سے حُسنِ محرابِ در

ہر اک در کی محراب میں ہی وہ خم
کہ قوسین کھائیں اسی کی قسم

مکانوں میں مٹی وہی ہے تمام
کہ اس کا خمیرِ محبت ہے نام

وہاں چوب کی جا ہیں تارِ نگاہ
ہی سقفِ مکاں ظلِّ لطفِ الٰہ

وہیں بام کو کہتے اوجِ عشق
ہے زینہ اسی بام کا موجِ عشق

ہو اس گھر میں کیا حال مشتاق کا
جہاں فرش ہو چشمِ عشّاق کا

وہاں رکھتا ہے ہر مکانِ رفیع
فضائے تقرّب کا صحنِ وسیع

ہر ایوان کی واہ کیا شان ہی
سعادت ہر اک در کی دربان ہی

ہو اس رہ میں پھر کیا نشیب و فراز
جہاں فرشِ رہ ہو جبینِ نیاز

لکھوں کیا میں اس شہر کی آب و تاب
کہ ہو ذرّہ ذرّہ جہاں آفتاب

یہ گلیوں میں ہی روشنی کا وفور
کہ ہر سمت جاری ہی اک بحرِ نور

وہاں پھرنے والوں کو یہ عید ہے کہ ہر نقش پا چشمِ اُمید ہے
مکانوں کے آگے وہ خوش وضع باغ کہ عاشق کے سینے پہ جیسے چراغ

نسیمِ حیات اس جگہ کی ہوا
جو مُردہ کو زندہ کرے برملا

مُعطر یہ گلیاں وہاں کی تمام کہ تازہ کریں قدسیوں کا مشام
جلال و جمال اس کے شمس و قمر ازل اور ابد اس کی شام و سحر
وہاں موسموں کا نرالا ہی ڈھنگ بدلتے نہیں پر بدلتے ہیں رنگ
جو گرمی ہے تو عشق بیدرد کی جو سردی ہے تو اک دمِ سرد کی
اسی جا تداخل وہی اعتدال وہاں عقل کی کچھ نرالی ہے چال
عجب شہر حیرت کا گنجینہ ہے کہ جو شے وہاں ہے وہ آئینہ ہے
اگر کوئی جائے وہاں بہرِ سیر تو ہرگز نہ دیکھے وہ تصویرِ غیر
نظر اس کی جس چیز پر جائے گی تو اپنی ہی صورت نظر آئے گی
عجب شہر ہے حاصلِ دو جہاں کہ رہتے ہیں اربابِ وحدت وہاں
نہ دنیا سے مطلب نہ دیں سے غرض اگر ہے تو اپنے یقیں سے غرض
عجب شہر آباد و معمور ہے جو کونین میں فرد مشہور ہے

جلد سوم

وہاں کچھ غمِ خیر و شر ہی نہیں — حدوث و قدم کا گزر ہی نہیں
فزوں عیش جاوید بے حد و کد — وہاں سب کو حاصل حیاتِ ابد
وہاں نقدِ رائج درود و سلام — غذا سب کی تسبیح ربِّ انام
اسی شہر کا حاکمِ ذوالجلال — وحید واحد وارث و بے مثال
وہ خلاق و پروردگارِ جہاں — وہ عاشق کی روح اور عالم کی جاں

رحیمٌ کریمٌ قویٌ قدیرٌ
لطیفٌ خبیرٌ سمیعٌ بصیرٌ

بنظیر

۲۲۔ بی بی آمنہ کا بسترِ مرگ

مرا پیارا محمدؐ کہاں ہے لاؤ ذرا — جمال مجھکو مرے لعل کا دکھاؤ ذرا
کنارِ شوق میں دل کے قریں بٹھاؤ ذرا — مرے لبوں سے وہ ننھے سے لب ملاؤ ذرا

میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کرلوں
دمِ وداع ذرا ہمکنار تو کرلوں

مرے ستارے۔ مرے چاند۔ میرے مہر مبیں — مزا میں بھی نہ بھولے گی مادرِ غمگیں

تری ادائیں۔ ترا حسن اصبح و نمکیں یہ تیرے عارضِ گلگوں۔ یہ تابناک جبیں

یہ چشم مست و سیہ۔ یہ نگاہِ دُز دیدہ
یہ حلقہ بندیِ زلفِ دراز و پیچیدہ

ترا یہ جھوٹ سی چڑنا۔ دغا سے گھبرانا یہ ہمسِنوں کو صداقت کا رمز سمجھانا
دمِ غضب یہ ترا شان حلم دکھلانا ہنسی کے وقت فقط مسکرا کے رہ جانا

عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں درد زباں تیری داستانیں ہیں

الٰہی! بچہ مرا عمر پائے گا کہ نہیں شبابِ حسن کی قیمت بڑھائیگا کہ نہیں
تبسم اس کا کوئی گل کھلائے گا کہ نہیں تحکّم اس کا کوئی رنگ لائے گا کہ نہیں

سکوت و غور مری رائے میں ہے معنی خیز
ثبات عزم یقیناً ہے انقلاب انگیز

اُبھر اُبھر کے یہ کہتی ہے اس کی پیشانی چمک چمک کے یہ کہتا ہے نورِ ایمانی
گرے گا اب سرِ شاہاں سے تاجِ سلطانی مٹیں گی دھر سے ظلمات کفر و طغیانی

جلال حسن و جمالِ صفات ہے اس میں
جو لب پہ آ نہیں سکتی وہ بات ہے اس میں

چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک دُرِ یتیم چلی ہوں چھوڑ کر گدڑی میں گنج ہفت اقلیم
کرم کرم ! مرے معبود میرے ربِّ کریم نہیں کسی سے کچھ اُمید - ہے تو بیم ہی بیم
ترے کرم سے یہ بچّہ جواں اگر ہو گا
یقیں ہے قوّتِ اجسامِ ناتواں ہو گا

مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال سُنی اگرچہ بغور اس نے شرحِ رنج و ملال
بچایو نظرِ بد سے ایزدِ متعال یہ چھ برس کا سن اور ضبطِ نفس میں یہ کمال
بسانے جاتی ہے ماں اس کی کنجِ تربت کو
تجھی کو سونپ رہی ہے تری امانت کو

ز - خ - ش

۴۳ - نزولِ وحی

قدم چالیسویں منزل میں اس یوسف نے جب رکّھا
تو پہنچا کاروانِ وحی آوازِ جرس ہو کر
عجب آہنگ تھا جس نے جگایا بھی سُلایا بھی
کہ دل تو جاگ اُٹھا آنکھوں میں غفلت نیند کی چھائی

ہوا سینہ میں جس سے موجزن ایک لجّۂ عرفاں
کہ تاب اس جزر و مد کی فطرتِ انساں نہیں لائی

بڑھا جوش اس کا بڑھکر ساحلِ افلاک تک پہنچی
اُٹھی موج اس سے اُٹھکر عرش کی زنجیر کھٹکائی

جھروکہ عرش کا رُوح القدس نے کھول کر دیکھا
تو نکلا مدّتوں کا ربط برسوں کی شناسائی

ہوئیں جاری زباں پر آیتیں وہ نور کی جس پر
فدا ہو لحن داؤدی و انفاسِ مسیحائی

طباطبائی

۴۲۔ اِسلام کی روانی

چلا ارض بطحا سے اک بحر وافر
کہ تھا جس کی موجوں کا اوّل نہ آخر

وہ توحید کی نے بجاتا ہوا — سرودِ حجازی [illegible]
وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا — وہ شہروں میں شادی [illegible]

پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا — سمندر پہ طوفاں اُٹھاتا ہوا
ضلالت کے بیڑوں کو ڈھاتا ہوا — زمانہ میں اُودھم مچاتا ہوا
محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہوا — خباثت کی وسعت گھٹاتا ہوا
صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا — وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا — خدا سے ہراک کو ملاتا ہوا
اسی کی عبادت سکھاتا ہوا — حضور اس کے سب کو جھکاتا ہوا
جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا — معارف کے ایواں اُٹھاتا ہوا
اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا — شیاطیں کو دھکے لگاتا ہوا
معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا — گناہوں کی گردن دباتا ہوا
وہ نیکوں کو مژدے سناتا ہوا — شریروں کو ہرسو ڈراتا ہوا
وہ گرتوں کو بڑھکر اُٹھاتا ہوا — کہیں ڈوبتوں کو تراتا ہوا
کہیں بسملوں کو جِلاتا ہوا — انھیں آبِ حیواں پلاتا ہوا
بلاؤں کو سر سے ٹلاتا ہوا — وہ رستوں سے کانٹے ہٹاتا ہوا

وہ غیروں کو اپنا بناتا ہوا
لگن اک نئی سی لگاتا ہوا

وہ ایوانِ کسریٰ ہلاتا ہوا — علم رومیوں کے گراتا ہوا
چراغِ ہدایت جلاتا ہوا — اور آتشکدوں کو بجھاتا ہوا
دوئی سے ہر اک کو بچاتا ہوا — سوئے ذاتِ واحد بلاتا ہوا
سماوی ترانے سناتا ہوا — اسی لَے پہ سب کو لٹاتا ہوا
وہ فتنوں کو ہر سو دباتا ہوا — وہ بچھڑوں کو باہم ملاتا ہوا
سریرِ عدالت بچھاتا ہوا — حقوق اپنے سب کو دلاتا ہوا
تمدّن کی بیخیں جماتا ہوا — مہذب جہاں کو بناتا ہوا
دلوں کو وہ ہمّت دلاتا ہوا — وہ روحوں کی قوّت بڑھاتا ہوا
دروسِ حقایق پڑھاتا ہوا — خرافاتِ یونان بھلاتا ہوا
صدفہائے علمی بہاتا ہوا — گہرہائے عرفاں لٹاتا ہوا

چلا جائیگا یونہی چڑھتا ہوا
اسی طرح دنیا میں بڑھتا ہوا

کہ جو نورِ حق بہرِ اتمام ہے — جو ہر فردِ انساں کو پیغام ہے
زمانہ کا جس پر کہ انجام ہے — اسی کا تو مظہر یہ اِسلام ہے

ندانم چساں جزر آید درو
کہ حفظِ خدا گشت چوں مدّ او

مناظر احسن گیلانی

۲۵- رحمۃ للعالمین

میانِ حسینانِ رشکِ قمر
ہے اک مہرِ حسنِ ازل جلوہ گر

وہ محبوبِ یزداں بشیر و نذیر | فرستادۂ خاصِ ربِّ قدیر
عجب روئے تاباں عجب آب و تاب | کہ پرتو سے جس کی بنی موجِ آب
وہ محبوبِ عالم شہِ اصفیا | حبیبِ خدا وارثِ انبیا

نہیں ہوتے انسان ایسے وجیہ
مگر ایک قلمِ نور کی ہے شبیہ

وہ فرقِ معلّٰی کی شانِ علا | جہاں تک نہ پہنچیں قیاس و ذکا
ازل سے ملی اس کو یہ برتری | کہ حاصل ہے کونین کی سروری
عروجِ سرِ بامِ امید ہے | وہ سرمایۂ فخرِ جاوید ہے

وہ گھونگر سے کچھ بال الجھے ہوئے
کچھ الجھے ہوئے کچھ وہ سلجھے ہوئے

نہ کیوں اس جبیں کی کریں نجم قدر | کہ ہے آسمانِ جلالت کی بدر

یہ لوحِ دو عالم کی تفسیر ہے جو پیش آنی ہے اس میں تحریر ہے
تجلّی گہِ حسن زیبائے حق بیاضِ جمالِ دل آرائے حق

زیارت گہِ خاصِ حُسنِ قدیم
امانت گہِ نورِ ربِّ کریم

وہ ترچھی نظر کس بلا کی شریر کہ بجلی گراتی ہے دکھلا کے تیر
کبھی دیکھنا پشت پا کی طرف کبھی سینۂ باصفا کی طرف
تغافل سے پہلو کبھی دیکھنا وہ لٹکا کے گیسو کبھی دیکھنا

کسی کو نہ بھر کر نظر دیکھنا
ادھر دیکھتے ہی اُدھر دیکھنا

شب و روز پھرتی ہے ساغر بدست کہ ہے ساقیِ جامِ عہدِ الست
وہ گونشہ میں مست و سرشار ہے مگر کام سے اپنے ہشیار ہے
کئے صید عشّاق کے مرغِ ہوش پھری سو بسو مست و عشوہ فروش

عجب رنگ میں ہے یہ ڈوبی ہوئی
کہ باقی نہیں نام کو بھی دوئی

حسین اس قدر وہ مہ دلنواز کہ خود حسن کو اس کے جلوہ پہ ناز

وہ رُخ مطلعِ صبحِ حق الیقیں صبیح و شگفتہ ملیح و حسیں
وہ مہرِ سعادت وہ بدر الدجیٰ وہ شمعِ حقیقت وہ شمس الضحیٰ
فروزاں ہے ایسا کہ نزدیک و دُور
برابر اسی کا ہے آنکھوں میں نور

بلبل بلیطابیر

۲۶- عاشقِ رسول

درِ نبی پر پڑا ہوا ہوں پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت پھرے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

اسی توقع پہ جی رہا ہوں یہی تمنّا جلا رہی ہے
نگاہِ لطف و کرم نہ ہوگی تو مجھکو جینا حرام ہوگا

کیے ہی جاؤں گا عرضِ مطلب ملے گا جب تک نہ مطلبِ دل
نہ شامِ مطلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا

یہاں نہ مقصد ملا تو کیا ہے وہاں ملے گا طفیلِ حضرت
ہمارا مطلب ہوا دھرا ہے نہ صبح ہوگا تو شام ہوگا

دیارِ رحمت پہ ہو گا قبضہ انھیں کا ہر سو بجے گا ڈنکا
جو حشر ہو گا تو دیکھ لینا انھیں کا سب انتظام ہو گا

شفیعِ محشر لقب ہے اس کا اسے شفاعت سے کام ہو گا
ہے سب کا دار و مدار اس پر وہی مدار المہام ہو گا

خلافِ معشوق کچھ ہوا ہے نہ کوئی عاشق سے کام ہو گا
خدا بھی ہو گا اُدھر ہی اے دل جدھر وہ عالی مقام ہو گا

ہوئی جو کوثر پہ باریابی تو کیفِ میکش کی دھج یہ ہو گی
بغل میں مینا نظر میں ساقی خوشی سے ہاتھوں میں جام ہو گا

کیف

۲۷- فریاد بدرگاہِ سرورِ عالم

(بموقع جنگ بلقان ۱۹۱۳ء)

اے دلِ بیتاب ذرا صبر آہ　　خواب میں ہیں سرورِ عالم پناہ
پہلی یہاں سب سے ادب شرط ہے　　پیروئ رسمِ عرب شرط ہے
فرض ہے ہر گام پہ رکھنا یہاں　　فرض ہے انسان کو جھکنا یہاں

گنج دو عالم کا دفینہ ہے یہ یعنی کہ سرکارِ مدینہ ہے یہ

کر لے جو کرنی ہو سب تجھے التجا

مانگ جو ہو مانگنی تجھکو دعا

عرض ہے اے خسروِ والا حشم ہو گئے برباد تیرے بعد ہم

عالمِ اسلام پہ کیجے نگاہ آپ کی اُمّت کی ہے حالت تباہ

جس سے نہاں گرد میں تھا آسماں راہ میں لوٹا گیا وہ کارواں

بیٹھی ہوئی جس کی تھی عالم پہ دھاک ہوتی ہے وہ قوم تہِ خون و خاک

کانپتے تھے جس سے فرنگ و فرانس آخری اس قوم میں باقی ہے سانس

وہ بھی کوئی دم کی ہے اب میہماں کب تلک اے شاہ یہ خوابِ گراں

اُٹھئے کہ اب وقت ہے باقی قلیل ہم تو نہیں رہنے کے ہوکر ذلیل

ہند میں اسلام نے کی خودکشی طاری ہے ایران پہ اک بیہشی

مٹنے لگا مصر سے مسلم کا نام ہوتی ہے ترکوں کی بھی ترکی تمام

سخت زبوں آپ کی اُمت ہے آج

اُٹھئے کہ بس ہمپہ قیامت ہے آج

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

منظراں را بلب آمد نفس
اے ز تو فریاد بفریاد رس

خیز و شب منتظراں روز کن
صبح نظامی طرب افروز کن

دیوانہؔ

۲۸- کچھ تو کیا چاہیے

ہیگی طلب شرطیاں کچھ تو کیا چاہیے
بیٹھے نہیں بنتی ہاں کچھ تو کیا چاہیے

ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بیخبر
چلنے کو ہے کارواں کچھ تو کیا چاہیے

ہو نہ سکے گر نماز دل کی طرف کر نیاز
وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے

چاہوں کسی سے دعا دل کی کروں اب دوا
نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہیے

عمر گئی لغو سب وقت بہت کم ہے اب
کچھ نہ کیا ہائے یاں کچھ تو کیا چاہیے

کیا کروں دل خوں کروں شعر ہی موزوں کروں
چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیے

میرؔ نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے
نامِ خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے

میر

جلد سوم

۲۹- نقد کا سودا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشی تو حق اس کی بھی جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یا سودا دست بدستی ہے

نظیرؔ

جلد سوم

۳۰- عبرت

یہ جتنے گلرو ہیں بیوفا ہیں نہ ان پہ جاں اپنی تو فدا کر
نہ دل کو وابستہ چاہ سے کر، نہ طبع الفت سے آشنا کر
نہیں ہے عہدِ شباب باقی نہ عشق میں خود کو مبتلا کر
نہیں ہوس وقتِ جوش باقی قدِ خمیدہ سے ٹک حیا کر
بتوں کا بندہ رہیگا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر

خلوصِ نیت سے ہوئے طاعت بہت یہ دشوار میری جاں ہے
نماز و تسبیح و زہد و تقوےٰ ریا سے جو ہوئے رائیگاں ہے
صدائے حلقِ بریدہ سے بھی سُنا تو مضموں یہی بیاں ہے
سجودِ محرابِ تیغِ قاتل عبادتِ رندِ مشربان ہے
جو ہو سکے تو قضائے عمری اس ایک سجدہ میں تو ادا کر

خیالِ عزت نہ دل میں رکھا نہ دھیان میں لائے میرے غم کو
قضا جو آئی تو آنکھیں موندیں کفن میں راحت سے ایک دم کو
عجب کی جا ہے مقامِ حیرت بڑا تردد ہے اس میں ہم کو
کہاں کی نیند آگئی الٰہی مسافرانِ رہِ عدم کو

جلد سوم

کچھ ایسا سوئے کہ پھر نہ چونکے تھکے ہم اُن کو جگا جگا کر

یہ جیتے جی کا ہی سب تکلف یہ زندگی کا ہے لطف سارا

قضا جو آئی تو آنکھیں مونديں نہ تم ہو میرے نہ میں تمہارا

گلوں کا باغ جہاں میں یار دچشمِ عبرت کرو نظارا

کہاں ہیں جم اور کہاں سکندر کہاں سلیمان کہاں ہے دارا

یہ سب کے سب خاک کے تھے پُتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

ہوش

۱۳۱۔ شبنم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
بہارِ باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم

ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظیر آیا
ادھر گُل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
ہوئی آتش سی گُل پر بیٹھکر رشکِ شرر شبنم

بھلا اٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم

نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کی اُٹھنے کو
گئی اُڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اِس باغ سے ہرگز سُراغ اس کا
نہ پلٹی پھر صبا ادھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھیدیاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہی کیوں روتی ہی کس کو یاد کر شبنم

درد

۳۲۔ طلسمِ حقیقت

جو تو کہتا ہی اے غافل یہ میرا ہی یہ تیرا ہی
یہ جس کا ہی اسی کا ہی نہ تیرا ہے نہ میرا ہی

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھی او بیخبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہی

تماشا ہی مزا ہی سیر ہی کیا کیا اہا ہا ہا
مصوّر نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہی

ترقی میں تنزل ہی تنزل میں ترقی ہی
اندھیری میں اُجالا ہی اُجالے میں اندھیرا ہی

طلسماتِ حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سُورج یہی شام اور سویرا ہی

نظیرؔ اللہ اللہ اس جہاں میں دم غنیمت ہی
کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہی

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہی رہے نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

نظیر

۴۳۔ حکمت

سودا ہے دُنیا تو بہ سو کب تک　　آوارہ ازیں کوچہ بآں کوکب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہووے　　بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

کتنوں کا جہاں میں زر و مال ہی شکر　　کتنوں کا ہی با دولت و اقبال ہی شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن　　شاکر ہی وہی جس کو بہر حال ہی شکر

افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور　　مفلس پہ کرم کرکے نہ ہو ویں مغرور
جھکتا ہی اگر شاخِ ثمردار کا ہاتھ　　پھل دی کے وہیں آپ کو کھینچے ہی دُور

سودا

۴۴۔ حقیقتِ عالم

کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مت بھول میر　　دُور سے دریا نظر آتا ہی لیکن ہی سراب

غفلت سے یہ غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ　　یاں وہ سماں ہی جیسے کہ دیکھی ہے کوئی خواب

کچھ نہیں اور دیکھیں ہیں کیا کیا خواب کا سا ہی یاں کا بھی عالم

عالم کے لوگوں کا ہی تصویر کا سا عالم ظاہر کھلیں ہیں آنکھیں لیکن ہیں بیخبر سب

سرسری تم جہاں سی گزرے ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

اے غافلانِ دہر یہ کچھ راہ کی ہی بات چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم رہتے ہو سو

ہستی پہ ایک دم کی تمہیں جوش اس قدر اس بحرِ موج خیز میں تم تو حباب ہو

بودِ آدم نمودِ شبنم ہی ایک دو دم میں پھر ہوا ہی یہ

بود نقش و نگار سا ہے کچھ صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

جہاں سی تو رختِ اقامت کو باندھ یہ منزل نہیں بیخبر راہ ہی

جلد سوم

ہستی اپنی حباب کی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے

دل کی بات کہی نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے

فرصت کم ہے یاں رہنے کی بات نہیں ہے کہنے کی
آنکھیں کھول کے کان جو کھولو بزمِ جہاں افسانا ہے

میر

۵۳۔ تماشائے عالم

مسافر ہے تو اے بازارِ امکاں کے تماشائی
کہاں تک ابلہانہ خود پسندی اور خود رائی

ذرا چشمِ بصیرت کھول گر رکھتا ہے بینائی
ترے کس کام آئیں گے خیالاتِ من و مائی

اڑی خوشبوئے گل ہے رنگ روئے نسترن پھیکا
بعجلت پھول چن ہونے کو ہے رنگِ چمن پھیکا

خروش کب تلک کبک دری کے قہقہے کب تک
خیاباں میں رہیں گے بلبلوں کے چہچہے کب تک

کہاں تک فصلِ گُل سروِ سہی کے لہلہے کب تک جلد سوم
تو صرفِ دیدِ گُل کب تک فدائے چنگ و نَے کب تک
کرے گا کب تک مشقِ خرامِ نازِ مستانہ
رہے گا حسن کا اپنے تو کب تک آپ دیوانہ
تجھے معلوم ہے کس واسطے تو باغ میں آیا
وہ کیا مطلب تھا جس کے واسطے سلطاں نے بھجوایا
نہ بھولے سے کوئی دم بھی ادھر کچھ دھیان فرمایا
کہ میں ہوں کون، جاتا ہوں کدھر، کس سمت سے آیا
ترا نخلِ بقا کب تک چمن میں لہلہائیگا
ہزارِ ہستیِ موہوم کب تک چہچہائیگا
مُعین وقت تک تجھکو ملا ہے سیر کا فرماں
غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخشِ گلشنِ امکاں
ترے آنے سے ہوں سب ہمصفیرانِ چمن شاداں
چلن سے تو عزیزِ دل ہو ان کا اور سرِ مُرجاں
تو ہر اک حال میں ان کا شریکِ ہمنوائی ہو
دلوں میں ان کے جا ہو تیری سینوں میں رسائی ہو

جلد دوم

مصیبت جس کو پیش آئے تو اس کا آشنا تو ہو
کوئی ماتم زدہ پائے تو اس کا غم ربا تو ہو
کوئی ہو راہ گم کردہ تو اس کا رہنما تو ہو
غرض ہر زخم کا مرہم ہو ہر دُکھ کی دوا تو ہو
جہاں مشکل کی پڑ جائے گرہ ناخن ترا کھولے
تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز میں بولے
بتا اگر آنکھ مجھ سے کہہ تو اس میں سے کیا کیا کیا
دکھا کس زخم دل پر مرہم امداد کا پھایا
نکالا دشتِ غربت میں کسی کے پاؤں کا کانٹا
کسی آفت زدہ کا بوجھ کہہ تو نے کیا ہلکا
بچایا ہے کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر
کیا ہے پار بیڑا بھی کسی کا ناخدا ہو کر
اگر غفلت سے اب تک کچھ ہمیں تو نے کیا غافل
تو اس خوابِ گراں سے چونک آئندہ نہ ہو کاہل
بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہے منزل
یہ فرصت بھی غنیمت ہی اگر کرنا ہے کچھ حاصل

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

تجھے اک شاہ عالیشان کی پیشی میں جانا ہے
ہمیشہ کے لئے ماوا اسی کا آستانہ ہے

اسی سرکار سے ملتا سبھوں کو آب و دانہ ہے
اسی کی ذات کا محتاج ہر فردِ زمانہ ہے

عجب سرکار ہے، ڈنکا ہے ہر سو اس کی عظمت کا
ٹھکانا ہی نہیں کچھ رفعتِ ایوانِ دولت کا

وہاں تو پائے عزت ایسا کچھ ساماں مہیا کر
پشیماں ہو گزشتہ غفلتوں سے اب نہ سویا کر

بھرے بازار میں آیا ہے تو پُر نفع سودا کر
حضورِ شاہ میں تا سرخرو ہو جائے تو جا کر

مکرم جنس ہے یاں دستگیری نیم جانوں کی
خریدا کر لیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

احمدی

۳۶- کارواں سرائے

سنو اے عزیزانِ ذی ہوش و عقل | کہ اس کارواں گہ سے کرنا ہے نقل
پیمبر یہ شہ ہے، کہ درویش ہے | سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے
کھوے گے کہ آگے تھا کہتا کوئی | نہیں اس سرا بیچ رہتا کوئی
یہ بیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں | جہاں جملہ ہے ایک بزمِ رواں
جسے دیکھو چلنے کا گرمِ تلاش | یہ منزل نہیں جائے بود و باش
گدا ہو کہ، ہو شاہِ عالی تبار | تہِ خاک سب کا ہے دار القرار
نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی | وہ رنگینیِ باغ کیا ہو گئی
ملے خاک میں جھڑ کے گلہائے تر | پریشاں ہوئے مرغِ گلشن کے پر
گئی خاک دامن فشانی کے ساتھ | رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ
نہ جدول رہی گی نہ سروِ رواں | گلستاں کو پاویں گے ہو کا مکاں
سکوں یاں کا دیکھا سراسر شتاب | چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب

جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب
نہیں جائے باش اور جا ہے عجب

میر

۴۷- بہارِ زندگی

یہ ہے دورِ ہستی کی سچی مثال	گلستاں میں جو وصلِ گل کا ہے حال
ادھر آج بادِ بہاری چلی	چمن کو ہماری سواری چلی
تماشائے گل کا مزا آج ہے	کہ گھنگھور چھائی گھٹا آج ہے
سحابِ کرم آج شوروں پہ ہے	تمنا پیاسوں کی زوروں پہ ہے
عجب لہلہاتا ہے سبزہ کہیں	بیاں جس کی خوبی کا ہوتا نہیں
ستم غنچوں کا مسکرانا کہیں	غضب پھولوں کا کھلکھلانا کہیں
کہیں لطف سے ہے رواں آبجو	کہیں بھینی بھینی ہے پھولوں کی بُو
کہیں چاندنی ہے کہیں ابر ہے	تماشائیوں کو کہاں صبر ہے
کسی کا ہے پھولوں سے دامن بھرا	کہیں پھول کا ہے کٹورہ دھرا
غضب ہے کہ دو دن ہے فصلِ بہار	چڑھے گا چمن پر خزاں کا بخار
یہی ہستی چند روزہ بھی ہے	کہ دو دن میں ہے دفترِ عیش طے
اسی زندگانی پہ سب مست ہیں	کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں

اسی نقشِ موہوم پر ناز ہے
جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہے

ہے ہر شخص کی حرص دامن کشاں — طمع سے نہیں کوئی خالی یہاں
کوئی ملک گیری میں بیتاب ہے — کوئی عیش و عشرت میں بیخواب ہے
کسی کو ہے نام آوری کا خیال — کوئی جمع کرتا ہے کوشش سے مال
کہیں ہے تمنّائے تحصیلِ علم — کہیں ہے خیالِ بزرگی و حلم

کوئی بے بہا شال میں مست ہے
کوئی اپنی ہی کھال میں مست ہے

جوہر

۳۸- ہنس

آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا — اک پیڑ پہ صحرا کے کیا اس نے گزارا
رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر — اس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا
دیکھا جو اسے طائروں نے حسن میں خوش رنگ — وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا
باز و لگڑ و باشہ و شاہیں ہوئے عاشق — شکروں نے بھی شکر سے کیا اس کا نظارا
کچھ لال چڑی پودنے پدّے ہی نہ غش تھے — پدڑی بھی سمجھتی تھی اسے آنکھ کا تارا
زاغ و زغن و طوطی و طاؤس و کبوتر — سب کرنے لگے اس ہی محبت کا اشارا

جتنے تھے غرض جانور اس پیڑ کے اوپر ان سب نے محبت میں دل اس ہنس سے ہارا جلد سوم

صحبت جو ہوئی ہنس میں اور جانوروں میں
اک چند ہوا خوب محبت کا گزارا

اس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے اک روز وہ یاروں کی طرف کہہ کے پکارا
لو یارو ہم اب چلتے ہیں کل اپنے وطن کو یہ پیڑ مبارک رہے اب تم کو تمہارا
اس بات کے سنتے ہی ہر اک کی اڑے ہوش سب بولے کہ یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا
ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمہارے ہی چلیں گے یہ درد تو اب ہم سے نہ جائے گا سہارا
اتنے میں شب کچھ ہوئی صبح ہویدا پھیلا کے ہوا پر تو ہیں اس ہنس نے مارا
سب ساتھ اڑے اس کے جو تھے یار ہوا خواہ ہر ایک نے اڑنے کے لیے پنکھ پسارا
کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس پہ ہارا
دس کوس اڑے پر جو ہوئی ماندگی غالب پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوّت و یارا
چیلیں گریں کوّے گرے اور باز بھی تھک گئے اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

نظیر

۳۹- اسرارِ مرگ

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

اک آن میں بدلتی ہے صورت جہان کی جلد اس نگارخانہ سے کر انتقال چل

سالک بہ طریق بدن ہے وبالِ جان یہ بوجھ تیرے ساتھ جو ہے اس کو ڈال چل

آوارہ میری ہونے کا باعث وہ زلف ہے کافر ہوں اس میں ہوئی اگر ایک بال چل

دنیا ہے میرؔ حادثہ گاہِ مقرّری

یاں سے تو اپنا پاؤں شتابی نکال چل

آیا جو واقعہ میں درپیش عالمِ مرگ یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا

آسودگی جو چاہے تو مرنے پہ دل کو رکھ آشفتگیِ طبع بہت کم ہے زیرِ خاک

تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعد مرگ

مت اضطراب کریو کہ عالم ہے زیرِ خاک

میرؔ

۴۰۔ ترانۂ حیات

مجھکو نہ کہہ اس دردو الم سے ہستی ہی مثل خواب مری
کام ہی نقش برآب مرا اُمید طلسمِ سراب مری

نیند کی ماتی رُوح ہی مردہ، مردہ ہے جو بیتاب نہیں
چہرۂ بود پہ رنگ نمود دھر بغیر حجاب نہیں

ہستی حقیقی خلقت سچی، خبر نہیں انجام اس کا
خاک کا پتلا خاک ہی آخر روح نہیں پر نام اس کا

رنج و محن مقصود نہیں اور عیش نہیں معراج ترا
جدّ و جہد میں ایسے بسر کر کل سے ہو بہتر آج ترا

کام ہی بھاری وقت سبک پا جان ہی پا بر کاب تیری
عمر رواں کو بانگ جرس آواز دلِ بیتاب تری

جلد سوم ماضی ہی مردہ اور مستقبل اب تک بطنِ عدم میں ہے
حال ہے زندہ اس میں دکھا کچھ دم باقی گر دم میں ہے

جنگ کا ہے میدان یہ دُنیا دیکھ مصافِ ہستی کو
چھوڑ دے عجز پرستی کو اور ڈھونڈ نہ راہِ پستی کو

کام مشاہیرِ دنیا کے اب بھی کر سکتے ہیں ہم
یاں سے گزر جائیں تو چھوڑیں دہر پہ ایسے نقشِ قدم

نقشِ قدم، رہِ گم کردہ کو دستِ خضر بن جائیں جو
یاس کی شب میں بہرِ مسافر نجمِ سحر بن جائیں جو

اُٹھ مرے ہمدم باندھ کمر اور صبر سے گرمِ کار ہو تو
پھر ترے سر پر جو کچھ آئے سہنے کو تیار ہو تو

حکیم

(ترجمہ انگریزی نظم)

۴۱ - رجزِ مُسلم

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دیں گے
مشرق کا سرا اُٹھکر مغرب سے ملا دیں گے

دھاری میں زمانہ کے بجلی کا خزانہ ہیں
بہتے ہوئے پانی میں پھر آگ لگا دیں گے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اُٹھیں گے جھونکی جو ہوا دیں گے

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے پھر تم کو بتا دیں گے

فاران پہ گرجے تھے برسے ہیں جہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اُڑا دیں گے

دُنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں روکا طوفان اُٹھا دیں گے

مُرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہمیں رحمت کے پھر نشو و نما دیں گے

جڑ ہم نے پکڑلی ہے کلّے نئے پھوٹیں گے
گر خاک میں بھی ہم کو اک بار ملا دیں گے

ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دیں گے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

گونجیں گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں پھونکا مُردوں کو جلا دیں گے

ای جذبۂ اسلامی جس دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفیؔ پڑھکر ہم اس کو سُنا دیں گے

صفی

جلد دوم

۴۴۔ ثناءِ اسلام

سلاطین کو اس سے یاری نہیں پھر ایسی کہیں خیر جاری نہیں
حرم میں مدینہ میں بغداد میں دُعا گو ہیں سب آپ کی یاد میں
کہیں ہوں زمانہ میں اربابِ دیں وہ اس خوانِ نعمت کے ہیں ریزہ چیں
مشائخ فقیر اہلِ علم و ہنر ہزاروں اسی در سے ہیں بہرہ ور
بزرگانِ دیں سے اسے ساز و باز ادب اس کی طینت میں دل میں نیاز

نظر ہی بسیط اس کی ہر راز میں
غرض فرد ہی اپنے انداز میں

الٰہی یہ سلطان عالی مقام رہی پیرو شرع خیر الانام
عطا کر وفادار میر و وزیر نہو دامِ اہلِ غرض میں اسیر
ہر اک چشم بد سے بچانا اسے جگہ آنکھ میں دے زمانہ اسے
مشیر اس کے دل سے ہی خواہ ہوں رفیق اس کے سارے حق آگاہ ہوں
الٰہی اسے حسن تمیز دے جو محبوب ہو تجھکو وہ چیز دے
ہر اک عزم میں اپنی ہو کامیاب رہیں اس کے فتح و ظفر ہم رکاب

مدام اس پہ انعام باری رہے | خلائق میں فیض اس کا جاری رہے
ملے صدق بو بکر و شانِ عمر | ملے زہد الیاس و عمرِ خضر

ملے حلم عثمان و زورِ علی
ملے گنج توحید و عشقِ نبی

بتیطیر

۴۳۔ سپاسنامۂ اردو

بحضورِ پرنور اعلحضرت خسرو دکن بانی جامعۂ عثمانیہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

میں شانہ سے در گزری آئینہ سے باز آئی | اب دل ہی نہیں جس میں ہو ذوقِ خود آرائی
ہر چند کہ صورت میں ہوں نور کی مورت میں | ناظر نہ ہو جب کوئی۔ کس کام کی رعنائی
اک چاند ہوں بدلی میں اک لعل ہوں گدڑی میں | اک حسن ہوں دیہاتی۔ اک پھول ہوں صحرائی
مشاطہ اگر کرتی۔ آراستگی و تزئیں | ہر اہلِ خرد ہوتا اس زلف کا سودائی

ہوں بزم حریفاں میں جوں آئینہ حیراں میں
با ایں ہمہ زیبائی۔ با ایں ہمہ رعنائی

اس دھن میں کہ ہاتھ آئے دامن کسی کامل کا | اس دھن میں کہ ہو جائے شاید کہیں شنوائی

ہر سینہ میں زباں ہو کر میں چلتی رہی برسوں — کل ہند کی وسعت میں کی بادیہ پیمائی

پر اہلِ زباں میرا اس طرح تھے منہ تکتے — دی ہی نہیں خالق نے گویا انھیں گویائی

گر ہو بھی گیا مائل پردیس میں کوئی دل — گھر والوں کی نخوت نے کی حوصلہ فرسائی

دلّی کی یہ نمکینی۔ یہ لکھنوی شیرینی

تھیں وقفِ سخن چینی۔ کیا ذکرِ دل افزائی

آخر درِ محسن تک قسمت مجھے لے آئی — ہاں تجھکو بشارت ہو اے ذوقِ جبیں سائی

جوں شمس و قمر روشن ہے اسمِ شریف اس کا — ہے نام خدا جس میں "نورین" کی یکجائی

ہے آج بصد زینت ہر کان کا آویزہ — عثمان علی خاں کا آوازۂ یکتائی

عثماں کی "حیا" نے کی۔ آکر مری غمخواری — دیکھی نہ گئی اس سے یہ ذلّت و رسوائی

کی بن کے "غنی" آخر شاہانہ ادا ظاہر

اک جامعہ کی یعنی تاسیس ہے فرمائی

جاں از سرِ نو بخشی۔ میرے تنِ مردہ میں — پھر زندہ کیا اس نے اعجازِ مسیحائی

قاصد ہوں اک اردو کی۔ اے شاہ نہیں مجھکو

دعوائے زباں دانی۔ مشقِ سخن آرائی

تمت۔ ح۔ ش

جلد سوم

۴۴- قومی ترانہ

ہی منتخب جہاں میں ملکِ دکن ہمارا
ہم اس کے ہیں فدائی وہ ہی وطن ہمارا

شاہانِ ماسلف کی اک یادگار باقی
لے دیکھے رہ گیا ہی ملکِ دکن ہمارا

اک وہ بھی تھا زمانہ جب تھا عروج ہم کو
تا تار تھا ہمارا چین و ختن ہمارا

وہ قرطبہ کی عظمت بغداد کی وہ شوکت
کچھ یاد ہے فسانہ اہلِ زمن ہمارا

تہذیب اور تمدن یورپ نے ہم سے سیکھا
آفاق میں تھا بہتر سب سے چلن ہمارا

فتح و ظفر کی موجیں ہر سمت اُٹھ رہی تھیں
تھا بحرِ علم و حکمت کیا موجزن ہمارا

علم و ہنر کا چشمہ ابلا ہی اب دکن سے
سیراب پھر کرے گا سوکھا چمن ہمارا

اورنگ زیب و اکبر شاہِ جہاں کا ہمسر
ہر ایک وصف میں ہی شاہِ زمن ہمارا

آقا ہی وہ ہمارا ہم اس کے ہیں دُعاگو
یا رب رہی سلامت شاہِ دکن ہمارا

عالی

۴۵- تازہ واردات

دینِ خدا ہی حق کی تجلّی کے واسطے　　دُنیا اُٹھی ہی اپنی تعلّی کے واسطے
عارف جو ہیں رہیں گے وہ اللہ ہی کے ساتھ
اللہ ہی ہے ان کی تسلّی کے واسطے

خطر اس میں ہی جن باتوں پہ جو ہے　　یہ رنگ ملک- یہ حالات ہی ہے
نہ مولانا نے لغزش کی نہ سازش کی ہی گاندھی نے
چلایا ایک رُخ دونوں کو ہے مغرب کی آندھی نے

نئی روشنی کا ہوا تیل کم　　حکومت نے اس سے کیا میل کم
ادھر مولوی کس مپرسی میں تھے　　نہ آفس میں تھے اور نہ کرسی میں تھے
یہ ٹھیری کہ آپس میں مل جائے　　سیاسی کمیٹی میں پل جائے
اسی میل کا ان دنوں ہے ظہور
خدا جانے ظلمت ہے یہ یا کہ نور

گاڑی کا کچھ تو ٹھکانا بھائی گاندھی نے کیا　　شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہی دیکھئے
بُدھو میاں بھی حضرتِ گاندھی کے ساتھ ہیں　　اک مشتِ خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

سینہ میں دلِ آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی
بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی
ہر چند بگولہ مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بیچین سہی برباد سہی

اکبر

تضمین بر پند نامۂ سعدی شیرازی

۴۶۔ در مناجات باری تعالیٰ

سدا دل سے اے مومنِ پاکباز وضو کرکے پڑھ پنج وقتہ نماز
بوقتِ مناجات با صد نیاز یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کرکے دراز
کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

الٰہی تو ستّار و غفّار ہے مرا یاں گُناہوں کا انبار ہے
نہ حامی کوئی نہ مددگار ہے اب اس بیکسی میں تو ہی یار ہے

ندارم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوئے جُرم تجھسے صغیر و کبیر پڑا ہے تو دامِ گُنہ میں اسیر
ذرا خوابِ غفلت سے چونک اے نظیرؔ دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر

نگہدار ما را ز راہِ خطا
خطا در گذار و صوابم نما

۷۴۔ در ثنائے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ترا دوست ہے وہ جو خیر الوریٰ محمدؐ نبی مالکِ دوسرا
کہاں وصف ہو مجھسے اُس کا ادا ولیکن ہے میری یہی التجا

زباں تا بود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمدؐ بود دلپذیر

وہ شاہِ دو عالم امیرِ امم بنے واسطے جس کے لوح و قلم

سدا جس کے چومیں ملائک قدم کروں اُس کا رتبہ میں کیوں کر رقم

حبیبِ خدا اشرفِ انبیا

کہ عرشِ مجیدش بود مُتّکا

اگرچہ وہ پیدا ہوا خاک پر گیا خاک سے پھر وہ افلاک پر

مراجی فدا اُس تنِ پاک پر تصدّق ہوں میں اُس کی فتراک پر

سوارِ جہانگیر یکراں بُراق

کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق

۴۸۔ خطاب بہ نفس

سفیدی نے ڈالا سیاہی کو دھو گئی نہ لڑکپن کی تجھ میں سے بو

ذرا اب تو ای مست ہشیار ہو یہ کیا قہر ہے اے دلِ زشت خو

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت

مزاجِ تو از حالِ طفلی نگشت

کیا تو نے نامہ عمل کا سیاہ اُٹھایا نہ دنیا سے کچھ زادِ راہ

تجھی اپنی غفلت پہ کچھ ہے نگاہ غرض اور میں کیا کہوں تجھ سے آہ

همه با هوا و هوس ساختی
دمے با مصالح نه پرداختی

رہا عمر بھر تو گنہ میں اسیر — کر اب کچھ رہائی کی فکر ای شریر
کمانِ اجل نت لگائے ہی تیر — اگر کچھ سمجھ ہے تو پھر کر نظر

مکن تکیہ بر عمرِ نا پائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

کرم کی ہیں کیا کیا کہوں خوبیاں — کرم کے ہیں مدّاح اہلِ جہاں
کرم سے ہے نکو نامیِ جاوداں — جو کچھ فہم ہی تو یہ تحقیق جاں

دلا ہر کہ بنہاد خوانِ کرم
بشد نامدارِ جہانِ کرم

کرم میں وہ خوبی ہی اے مہرباں — کہ ہوتا ہی جس کا ہر اک جا بیاں
زباں ہی قلم سے قدم سے میاں — کیا کر کرم اور یقیں اس کو جاں

کرم نامدارِ جہانت کند
کرم کامگار ارمانت کند

کرم کی بہت خوب ہی رسم و راہ — کرم کی ہر اک وقت ہی واہ واہ

کرم سے ہی عیش و طرب عز و جاہ کرم سے ہی سب رتبہ و دستگاہ
کرم مایۂ شادمانی بود
کرم حاصلِ زندگانی بود
کرم یاں جنھوں نے کیا ہی مدام ہوئے ہیں بزرگی سے وہ نیک نام
انھیں لوگ کرتے ہیں جھک کر سلام کرم کا نہایت بڑا ہے مقام
ورائے کرم در جہاں کار نیست
ازیں گرم تر ہیچ بازار نیست
کرم سب کو دنیا میں آیا پسند ہوئے ہیں جہاں میں وہی سربلند
کرم کا ہے رتبہ بہت ارجمند کرم کر سدا گر ہے تو ہوشمند
دلِ عالمی از کرم تازہ دار
جہاں را ز بخشش پرآوازہ دار
کرم میں جو رکھتے ہیں اپنا قوام تو اُن کا ہی رہتا ہی دنیا میں نام
نظیر اب تجھے ہی یہ لازم مدام گھڑی پہر ون رات اور صبح شام
ہمہ وقت شو در کرم مستقیم
کہ ہست آفرینندۂ جاں کریم

۴۹- در وصف سخاوت

سخاوت کی دُنیا میں ہی جس کو چاہ تو اُس پر نہایت ہی فضلِ الٰہ
ہوا وہ خلایق میں با عز و جاہ یہی بیت ہی اُس سخن کی گواہ

سخاوت کند نیکبخت اختیار
کہ مرد از سخاوت شود بختیار

خدا نے اگر تجھکو زر ہے دیا تو کھا تو بھی اور غیر کو بھی کھلا
جو چاہی کہ ہوشے زاہلِ عطا تو مقدور تک اپنے اے دلربا

بلطف و سخاوت جہانگیر باش
در اقلیم لطف و سخا میر باش

خدا کی عنایت ہی جس شخص پر سخاوت کا وہ سیکھتا ہے ہُنر
بڑی قدر ہی اُس کی اے بہرہ ور سخاوت کری جو ہی صاحب نظر

سخاوت بود کارِ صاحبدلاں
سخاوت بود پیشۂ مقبلاں

ہمیشہ سخاوت کر اے مہرباں تو سب عیب تیری رہیں گے نہاں

سُنائے گا تجھکو نہ کوئی یہاں نہیں کہہ گیا سعدیِ خوش بیاں؟

سخاوت مسِ عیب را کیمیاست

سخاوت ہمہ درد ہا را دواست

سخاوت جو کرتے ہیں یاں اختیار وہی ہیں جہاں میں بڑے ہوشیار

نظیر اب ہو تو بھی سخاوت شعار کہ راضی سخی سے ہی پروردگار

مشو تا تواں از سخاوت بری

کہ گوئے بہی از سخاوت بری

۵۰۔ در مذمت بخیل

بخیلی کا پیشہ ہے جس نے کیا وہ ہوتا ہی یاں گنج کا اژدہا

نہیں اُس کی ملنے میں ہی فائدا کنارہ ہی سب صورتوں میں روا

اگر چرخ گردد بکامِ بخیل

ور اقبال باشد غلامِ بخیل

سوا اس کے یہ بھی کیا ہی رقم کہ نام اُس کا لیتے نہیں صُبحدم

نحس اُس کو کہتے ہیں اہلِ کرم سمجھتے ہیں دریوزہ گر سے بھی کم

اگر در کفش گنج قارون بود
وگر تا بعش ربع مسکون بود

جو حشمت بڑی اُس نے پائی ہے یاں　　ملی اُس کو گر دولتِ جاوداں
تو اُس میں بزرگوں کا ہے یہ بیاں　　اگر تجھکو حاجت ہے تو بھی میاں

مکن التفاتے بمالِ بخیل
مبر نامِ مال و منالِ بخیل

وہ ہے گو جہاں میں بڑا مالدار　　ولیکن وہ نظروں میں ہے بیوقار
ذلیل اُس کو کہتے ہیں سب اور خوار　　کچھ اُس کی نہیں قدر اے ہوشیار

بخیل ارچہ باشد تونگر بمال
بخواری چو مفلس خورد گوشمال

اگرچہ عبادت ہے اُس کا چلن　　ریاضت میں کھینچے ہے رنج و محن
بڑے زہد کرتا ہے دل سے کٹھن　　ولے شاہد اُس کا یہی ہے سخن

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بحکمِ خبر

جو زر ہے تیری پاس اے مہرباں　　تو خرچ اُس کو کر راہِ حق میں میاں

بخیلی میں ہووے گا تیرا زیاں نظیر اس سخن کو تو تحقیق جاں

سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غمِ سیم و زر میخورند

۵۱۔ در صفت تواضع

تواضع کی خوبی ہو کیا کیا بیاں یہ پستی بلندی کی ہے نردباں
جو کرتا ہی رسمِ تواضع عیاں اُسے دوست رکھتے ہیں اہلِ جہاں

دلا گر تواضع کُنی اختیار
شود خلقِ دُنیا ترا دوستدار

جو چاہی ملیں تجھکو اخلاص مند تواضع کی کر اُن سی باتیں دو چند
کہ آویں تری کام سب کو پسند بزرگوں کا ہی یہ کلامِ بلند

تواضع بود سایۂ دوستی
کہ عالی بود پایۂ دوستی

اگر ہی ترے دل میں یہ مدعا کہ عالم میں رُتبہ ہو تیرا بڑا
کیا کر تواضع یہی ہی بھلا ہر اِک اہلِ معنی نے یوں ہی کہا

تواضع کند مرد را سرفراز
تواضع بود سروراں را طراز

بدن تو نے پایا جو انسان کا — تو ہرگز نہ کر کار حیوان کا
تکبر تو ہے کام شیطان کا — تواضع ہی باعث تری شان کا

تواضع کند ہر کہ ہست آدمی
نزیبد ز مردم بجز مردمی

بڑی یوں تو دولت کی ہیں خوبیاں — ولے ہی تواضع کی وہ عزوشاں
کہ یاں نام اور سیر فردوس واں — کہا ہی بزرگوں نی اے مہرباں

تواضع کلیدِ درِ جنت ست
سرافرازی و جاہ را زینت ست

تواضع اگر ہوگا تیرا شعار — بڑھے گا ترا سب میں عزّ و وقار
تواضع کو مت چھوڑ اے ہوشیار — یہ معنی ہیں اس بیت کی آشکار

تواضع بود حرمت افزائے تو
کند در بہشتِ بریں جائے تو

اگر ہی جہاں میں تجھے دستگاہ — تواضع یہ لازم ہی ہر دم نگاہ

تواضع سی بڑھتی ہی توقیر وجاہ یقیں کر تو ہے قول سعدی گواہ

تواضع زیادت کند جاہ را
کہ از مہر پرتو بود ماہ را

اگر چاہیئے تجھکو یاں اعتبار بزرگی ملے اور بڑا ہو وقار
کری تجھکو دل سی ہر اک شخص پیار تو اس کو یقیں جان اے غمگسار

تواضع عزیزت کند در جہاں
گرامی شوی پیشِ دلہا چو جاں

دل اپنے میں تخمِ تواضع کو بو عمل کو ترے کھیت تو سبز ہو
تواضع بغیر ایک دم کو نہو یہی یاد رکھ دل میں اے نیکخو

کسے را کہ عادت تواضع بود
زجاہ و جلالش تمتّع بود

ملی تجھسے جو اُس سی جھک کر تو مل کھلا غنچہ دل کو اور تو بھی کھل
تواضع کو رکھ آپ سے متّصل بلندی اسی میں ہے اے صاف دل

تواضع مدار از خلایق دریغ
کہ گردن ازاں بر کشی ہمچو تیغ

ملی جن کو ہے عقل میں امتیاز — وہی جھکتی ہیں سب سے باصد نیاز
ثمر سے ہی ڈالی کو جھکنے میں ناز — اسی بات میں سب پہ کھلتا ہی راز

تواضع کند ہوشمندِ گزیں
نہد شاخِ پر میوہ سر بر زمیں

تواضع جو کرتے ہیں اس جا بہر — وہ ہیں نیک پیش صغیر و کبیر
وہ ہوتے ہیں سب کے بہت دلپذیر — جو دیکھا تو سچ ہی یہ بات اے نظیر

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

نہیں پاس رکھتا جو یاں سیم و زر — اور اُس میں تواضع کا کچھ ہی اثر
اُسے لوگ کہتے ہیں نیکو سیّر — ولی قول سعدی ہی اے پرگہر

کسے راکہ گردن کشی در سرست
تواضع از و یافین خوشتر ست

۵۲ - در مذمّت تکبّر

تکبّر جو کرتا ہے یاں ہر گھڑی — وہ کھینچے ہی آخر کو شرمندگی
تکبّر سے ہے ربط بیدانشی — اگر ہی تو عاقل تو بھولے سے بھی

تکبّر مکن زینہار اے پسر
کہ روزی ز دستش در آئی بسر

تکبر جو کرتا ہے یاں اختیار وہ رہتا ہی لوگوں کی نظروں میں خوار
حذر اُس سی رکھتے ہیں اہلِ وقار یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار

کسے را کہ خصلت تکبر بود
سرش پر غرور از تصوّر بود

تکبر سے ہوتا ہے جو آشنا وہ بیگانۂ عقل ہی دائما
تکبر سے کر خوف اے پارسا تکبر کی زشتی کہوں تا کجا

تکبّر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

بہت کھینچتا ہی جو اپنے تئیں وہ گرتا ہے آخر بروئے زمیں
جو ناداں ہیں واقف وہ اس سی نہیں ولیکن یقیں جان اے ہمنشیں

تکبّر بود عادتِ جاہلاں
تکبّر نیاید ز صاحبدلاں

جنھیں عقل اور ہوش کا ہی خیال وہ رکھتے ہیں یاں عاجزی کی خصال

نہیں چلتے ہرگز تکبّر کی چال
یہاں اس سخن کی یہی ہی مثال

تکبّر بود سایۂ مدبری
تکبّر بود اصل بدگوہری

تکبّر کی زشتی ہی سب پر عیاں
سُنا تو نے کچھ کچھ تو اُس کا بیاں
سمجھ بُوجھ مت کر تو اپنا زیاں
نظر اب تعجب ہی یہ درمیاں

چو دانی تکبّر چرا مے کنی
خطا مے کنی و خطا مے کنی

۵۳۔ در فضیلتِ علم

جسے دولتِ علم کہتے ہیں یاں
وہی دولتِ بے خطر ہی میاں
نہ کر جہل بڑھ دل سی اے مہرباں
کہ ہی علم ہی دولتِ جاوداں

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

فضائل کی تجھکو اگر ہے ہوس
پڑھا کر تو اور علم سے کر نہ بس
و گر معرفت چاہی اے نکتہ رس
تو ہر حال میں ہر گھڑی ہر نفس

چو شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

تجھے علم تحصیل کرنا ہے یاں — تلاش اُس کی ہی فرض تجھ پر میاں
اسی کی تو خواہش میں رہ ہر زماں — یقیں جان لی اس کو اے مہرباں

طلب کردنِ علم شد بر تو فرض
دگر واجبست از پیش قطع ارض

عجب دولتِ علم کا ہے اثر — کرے خرچ اُس کو جو شام و سحر
بڑھے دمبدم اور رہے بے خطر — جو بے علم ہے کیا وہ سمجھے مگر

خردمند باشد طلبگار علم
کہ گرم ہست پیوستہ بازار علم

اسی فن کو کہتے ہیں کسب کمال — اسی کی کتابوں میں ہے قیل و قال
اسی سے دلائل اسی سے مثال — تو لازم ہے یوں اے ہمایوں خصال

برو دامنِ علم گیر استوار
کہ علمت رساند بدار القرار

اسی سے معارف کی تحریر ہے — اسی سے حقایق کی تقریر ہے

اسی سے معانی کی تفسیر ہے — یہی نیکبختی کی جاگیر ہے

کسے را کہ شد در ازل بختیار
طلب کردنِ علم کرد اختیار

فقیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ — امیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
وزیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ — دبیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ

ترا علم در دین و دنیا تمام
کہ کارِ تو از علم گیرد نظام

یہی علم بس سب کی توقیر ہے — بزرگی کی چہرہ پہ تنویر ہے
جو بے علم ہو اُس کی تحقیر ہے — نظیر اب یہی نیک تدبیر ہے

میاموز جز علم گر عاقلی
کہ بے علم بودن بود غافلی

۵۴- در امتناع از صحبتِ جاہلاں

نہیں علم ہو یاں جنھوں نے پڑھا — انھیں لوگ کہتے ہیں جاہل سدا
نہیں بیٹھ تو پاس اُن کے ذرا — غرض اُن کی نزدیک ہر گز نہ جا

دلا گر خردمندی ہوشیار
مکن صحبتِ جاہلاں اختیار

جو ہی جاہل اُس کے نہ جا متصل — نہ اُس کی سخن سے تو جوں غنچہ کھل
سدا دُور رہو اُس سی ہرگز نہ مل — جو چاہی بزرگی تو ای صاف دل

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش
نیامیختہ چوں شکر شیر باش

نہ کر ربط جاہل سے ہرگز بجاں — ترا اُس کی ملنے سے ہوگا زیاں
حذر دل میں کر اُس سی تو ہر زماں — کہا ہی بزرگوں نے یوں ای میاں

ز جاہل حذر کردن اولیٰ بود
کزو ننگ دُنیا و عقبےٰ بود

جو کرتا ہی جاہل وہ بہتر نہیں — جو کہتا ہی جاہل وہ ہی بدتریں
سمجھ نیک اُس کو نہ ای خوش یقیں — کہ جاہل ہی بدعاقبت اور لعیں

ز جاہل نیاید جز افعالِ بد
وزو نشنود کس جز اقوالِ بد

نہ کر جاہلوں کی محبت پسند — نہ ڈال اپنی گردن میں ہرگز کمند

یہ قولِ بزرگاں ہی اے ہوشمند نہ دے اس کی اُلفت میں دل کو گزند

ترا اژدہا گر بود یارِ غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

جہالت میں رہتا ہی جو مبتلا نہیں اُس کو عقبیٰ سے حاصل ذرا
ہی ادراک جن کا نہایت رسا انھیں نے ہی تصدیق دل سی کیا

سرانجام جاہل جہنّم بود
کہ جاہل نکوعاقبت کم بود

تجھے عاقلوں سی جو صحبت ہی یاں غنیمت سمجھ اُن سے ملنا میاں
عداوت سی ان کی نہیں کچھ زیاں یہ قولِ بزرگاں ہی اے مہرباں

اگر خصمِ جان تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

جنھوں نے جہالت کا شیوہ کیا ہر اک اُن سے رہتا ہی دل میں خفا
کسی نے نہیں اُن کو رُتبہ دیا سبھی نے یہی اُن کے حق میں کہا

سرِ جاہلاں بر سرِ دار بہ
کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

جہالت کا جس شخص میں ہی خمیر — وہ رہتا ہی خفت میں ہر دم اسیر

ذلیل اس کو کہتے ہیں برنا و پیر — جو دیکھا تو سچ بات ہی اے نظیر

چو جاہل کسی در جہاں خوار نیست

کہ ناداں تر از جاہلی کار نیست

۵۵- در صفتِ عدل

ہوا ہی جو عالم میں تو بادشاہ — دیا ہی تجھے ملک و تاج ولوا

سبب عدل ہی اس عنایات کا — سمجھ یہ سخن اے شہ مہ لقا

چو ایزد ترا این ہمہ کام داد

چرا بر نیاری سر انجام داد

کریگا جو تو عدل کا کاروبار — بڑھے گا ترا جاہ او راقتدار

عدالت سے ہی رتبۂ شہریار — تو رکھ یاد اے خسروِ کامگار

چو عدل است پیرایۂ خسروی

چرا عدل را دل نداری قوی

جو کرتے ہیں یاں عدل کا انتظام — وہ رہتے ہیں عالم میں نت نیکنام

صفت ان کی ہوتی ہی ہر صبح و شام سمجھ اس کو اے شاہِ عالی مقام

چو نوشیرواں عدل کرد اختیار
کنون نام نیک ہست ازو یادگار

رہے گی تری عدل پر جو نگاہ تو دولت رہی گی تری دیرگاہ
اگر ہی تجھے مال و حشمت کی چاہ تو اس کو یقیں جان ای بادشاہ

ترا مملکت پائداری کند
اگر معدلت دستیاری کند

جو عادل رہیگا تو شام و سحر کہیں گے تجھے خسروِ دادگر
رہیگی تری مملکت خوب تر یہ خوبی چاہیے تو اے بہرہ ور

جہاں را بانصاف آباد دار
دلِ اہلِ انصاف را شاد دار

کریگا جو تو معدلت روز و شب تو ہوگا ترا سب میں عادل لقب
تری نیکنامی کا ہے یہ سبب سمجھ اُس کو ای شاہِ عالی نسب

ترا زیں بہ آخر چہ حاصل بود
کہ نامت شہنشاہ عادل بود

بڑھائی یہاں عدل عزو وقار وہاں بھی ملے رُتبہ و اعتبار
عدالت سی ہوتے ہیں رب کامگار اسے گوش دل سے سُن ای شہریار

جہاں را بہ از عدل معمار نیست
کہ بالاتر از معدلت کار نیست

ہوئی جس کو یاں معدلت دلپذیر بڑا صاحبِ بخت ہے وہ امیر
بہت خوش ہیں اُس سی صغیر و کبیر جو کی غور دل میں تو سچ ہے نظیر

ز تاثیر عدل ست آرام ملک
کہ از عدل حاصل شود کام ملک

۵۶- در مذمتِ ظلم

سعادت سے ہوتے ہیں جو بہرہ ور تعدّی وہ کرتے نہیں اور ہیر
سعادت کا ہی کب ستم میں اثر میاں اس سخن کو بدل غور کر

اگر خواہی از نیک بختی نشاں
در ظلم بندی براہلِ جہاں

جو اک دل کو ہی خوف اس سی بڑا کسی پہ نہ رکھ ظلم کو تو روا

ستم کا ہے پیشہ نہایت بُرا جو چاہے زمانہ میں اپنا بھلا

مدہ رخصتِ ظلم در ہیچ حال

کہ خورشید ملکت نیابد زوال

گلِ حکم کی گر تو دیکھے بہار تو کر ظلم کا دور خاطر سے خار

نہ بیداد سے رکھ کسی دل پہ بار سمجھ لے یہی بات اے کامگار

خرابی ز بیداد بیند جہاں

چو بستان خرّم ز بادِ خزاں

تری گھر جو ہے سلطنت کا نشاں تو کر ظلم کو شہر سے بے نشاں

اسی میں ہے بس راحتِ جاوداں یہی تجھکو لازم ہے اے مہرباں

رعایت دریغ از رعیت مدار

مرادِ دلِ دادخواہاں برآر

جو کرتا ہے یاں ظلم کو اختیار وہ ہوتا ہے دنیا و عقبیٰ میں خوار

بُرا اس کو کہتے ہیں لیل و نہار سمجھ رکھ یہی بات اے تاجدار

ستم بر ضعیفانِ مسکیں مکن

کہ ظالم بدوزخ رود بے سخن

ستم کی نہ چل ایک دم بھی تو راہ   ستانا دلوں کو بڑا ہے گناہ
نکر ظلم سے خلق کو تو تباہ   رکھا اے باہنر اس سخن پر نگاہ

ستم کش گر آہے بر آرد ز دل
زند سوزرا و شعلہ در آب و گل

سکھاوے تجھے ظلم کا جو شعار   ترا دشمنِ جاں ہے وہ نابکار
اُٹھا آہ کامت دلوں سے شرار   اگر خیر چاہے تو اے کامگار

بآزار مظلوم مائل مباش
ز دردِ دلِ خلق غافل مباش

ستم کی روش جس نے دنیا میں لی   ہوئی اُس کو حاصل نہ کچھ بہتری
ملی عاقبت میں بھی شرمندگی   جو کچھ ہوش ہے تجھ میں تو اے قوی

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بیندیش آخر ز تنگیِ گور

جو کرتا نہیں ظلم سے اجتناب   وہ ہوتا ہے آخر اسیرِ عقاب
سمجھتا نہیں ہے وہ خانہ خراب   ستانا دلوں کا بڑا ہے عذاب

مکن مردم آزاری اے تندرائے
کہ ناگہ رسد بر تو قہرِ خدائے

ستم کی جو رکھتا ہے یا رو نبا تو رہتے ہیں سب لوگ اُس ہی خفا
نظیر اس سخن کو کہے تا بجا یہ نکتہ ہے اہلِ خرد کا بجا

کسے کاتشِ ظلم زد در جہاں
بر آورد از عالم جاں فغاں

۵۷۔ درصفتِ قناعت

خدا کا بڑا جس پہ احسان ہے قناعت کے گھر کا وہ مہمان ہے
بڑی آبرو اُس کی اور شان ہے خوشی خرمی اُس کو ہر آن ہے

دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

قناعت کی دولت ہی جس نا پیا وہ رہتا ہی آرام سے ہر زماں
نہیں خطرہ آتا کوئی درمیاں تو دنیا کی دولت سے اے مہرباں

غنی گر نباشی مکن اضطراب
کہ سلطان نخواہد خراج از خراب

قناعت سے ہوتا ہی جو بہرہ ور نہیں دیکھتا ہے کسی کا وہ در

بصد عیش رہتا ہے وہ اپنے گھر اسے غور کر دل میں اے پُرہنر

قناعت تونگر کند مرد را
خبر دہ حریصِ جہاں گرد را

فقیری کے رتبہ پہ کی جب نگاہ تو اُس کا ہی کچھ اور ہی عزو جاہ
اگرچہ ہی سختی سے ہوتا تباہ دلے جان لے اُس کو لطفِ الٰہ

ندارد خردمند از فقر عار
کہ باشد نبی را ز فقر افتخار

قناعت کی دولت ہے یاں اس قدر نہ پہنچے جسے دولتِ سیم و زر
ہر اک وقت رہتی ہے حق پر نظر جو دیکھا تو دنیا میں شام و سحر

غنی را زر و سیم آرایش است
ولیکن فقیر اندر آسایش است

قناعت ہے سرمایۂ افتخار قناعت میں ہے خوبی و اعتبار
تجھے جس طرح رکھے پروردگار اُسی میں تو راضی رہ اے دوستدار

قناعت بہر حال اولیٰ تر است
قناعت کند ہر کہ نیک اختر است

قناعت سے ہوتا ہے جو آشنا
وہی کام کرتا ہی یاں عقل کا
اسے دیوے ہے عشرت کا عشرت فزا
جفائے فلک سے تو اے باصفا
اگر تنگدستی ز سختی منال
کہ پیشِ خردمند ہیچ ست مال
کرے دل جو مہرِ قناعت منیر
وہ ہی موردِ نورِ لطفِ قدیر
اسے لوگ کہتے ہیں روشن ضمیر
تجھے بھی ہی لازم یہاں ای نظیر
ز نورِ قناعت برافروز جاں
اگر داری از نیکبختی نشاں

۵۸ - در مذمّتِ حرص

تجھے ہی مے حرص کا جو نشا
اسی سے نہیں ہوش تیرا بجا
میاں یہ تقاضا نہیں عقل کا
سوا اس سخن کے کہوں تجھسے کیا
ایا مبتلا گشتہ در دامِ حرص
شدہ مست لایعقل از جامِ حرص
جو لالچ سے ہی جمع تو نے کیا
فراہم کرے گا گر اُس کے سوا

نہیں اس سے مطلق مجھے فائدا
یہ ہمراہ تیرے نہیں جائیگا

گر فتم کہ اموال قاروں تراست
ہمہ دولتِ ربع مسکوں تراست

یہ اسباب ہے جو ترے روبرو
سمجھو نہ اپنا اسے تو کبھو
نہ کر اس کی تحصیل میں جستجو
نہیں حال قاروں سے آگاہ تو؟

بخواری شد آخر گرفتار خاک
چو بیچارگاں بادلِ دردناک

جو لینا ہے کچھ زندگی کا مزا
تو خوش ہو اسی میں جو کچھ مل گیا
میاں حرص کی راہ ہرگز نہ جا
سمجھ اس سخن کو تو دل میں ذرا

ہر آنکس کہ دربندِ حرص اوفتاد
دہد خرمنِ زندگانی بباد

نہ رکھ حرص کا دوش پر اپنے بار
نہیں زر کے رہنے کا کچھ اعتبار
یہ کرتا نہیں ایک جا پر قرار
تو اس آتشِ غم میں لیل و نہار

چرا میگزاری زسودائے زر
چرا میکشی بارِ محنت چو خر

نہیں حرص کی کچھ بھلی رسم و راہ — تو اپنے تئیں اس تیں مت کر تباہ
دکھاوے گی ذلت تجھے حبِ جاہ — تو بیتاب ہو کر میاں خواہ نخواہ

چرا میکشی محنت از بہرِ مال
کہ خواہد شدن ناگہاں پائمال

اگرچہ رواں زر سے ہیں کار و بار — پر اتنی بھی مت حرص کر اختیار
ذرا صبر کر اور نہ ہو بیقرار — کہاں تک کہوں تجھسے اے میرے یار

چناں عاشقِ روئے زر گشتہٗ
کہ شوریدہ احوال و سرگشتہٗ

نہ ہو حرص کا اس قدر آشنا — تجھے حرص کرنے میں خوبی ہی کیا؟
نہیں اس میں حاصل ندامت سوا — کہوں کیا تجھے تو ہے زر پر فدا

چناں دادہٗ دل بہ نقشِ درم
کہ ہستی ز ذوقش ندیمِ ندم

تجھے حرص کرنے ہی کچھ بھی ہے ڈر؟ — نہیں نفع اس میں تجھے جز ضرر
یہی دھیان ہے تجھکو شام و سحر — درندوں سے ہے نقش تیرا بتر

چناں گشتہٗ صید بہرِ شکار
کہ یادت نیابد ز روزِ شمار

اگر زندگی کا تو ہے قدرداں		تو زر کی ہوس میں نہ کر رائگاں
بھلے اور بُری میں تفاوت یہاں		اگر جانتا ہی تو اے مہرباں

مکن عمر ضائع بہ تحصیل مال
کہ ہم نرخ گوہر نباشد سفال

جسے دولتِ دیں ہی یاں دلپذیر		اُسی کو ہی واں شادمانی کثیر
نہو فکرِ دنیا میں ہرگز اسیر		کہا ہی بزرگوں نے یوں اے نظیر

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دُنیا دہد دیں بباد

۵۹۔ درصفتِ وفا

محبت میں ہیں وہ جو اہلِ وفا		تو اُن کا ہی اُلفت میں رُتبہ بڑا
بہت معتمد ہیں وفا آشنا		اگر تجھکو بھی چاہیئے مرتبا

دلا ور وفا باش ثابت قدم
کہ بے سکہ رائج نباشد درم

جو ثابت قدم دوستی میں جیئے		دل اپنے وفا میں انھوں نے دیئے

محبت کی تو بھی اگر مے پیئے — تو کیجو نہ ترکِ وفا کس لیے؟

بود بے وفائی سرشتِ زناں

میاموز کردار زشتِ زناں

جو چاہے کہ سب خلق ہو دوستدار — تو کر دل سے مہر و وفا اختیار

اگر دوستی کے چمن کی بہار — تجھے دیکھنی ہے تو اے گلعذار

مکن بیوفائی چو دَورِ سپہر

متاب از رخِ دوستاں روئے مہر

جو ملتا رہے گا تو یاروں سے یاں — تو پھر خوش رہیگا دلِ دوستاں

دگر اُن سے ہوگا جدا اک زماں — تو پھر قول اُستاد ہے کا عیاں

جدائی ز احباب کردن خطاست

بُریدن ز یاراں خلافِ وفاست

نہیں جن کے دل میں وفا کا نشاں — وہ شرمندہ یاروں سے رہتے ہیں یاں

سُبک ہیں وہ نزدیک پیر و جواں — جو چاہے بزرگی تو اے مہرباں

مگرداں ز کوئے وفا روئے دل

کہ در رشتۂ جاناں نباشی خجل

ترے دوست جتنے ہیں اور غمگسار
تو آزردہ اُن کو نہ کر زینہار
ستمگر نہیں ہوتے اُلفت شعار
جو کی ہی محبت تو اے دوستدار

منہ پائے بیروں زکوئے وفا
کہ از دوستاں می نیرزد جفا

اگر دامِ الفت میں تو ہی اسیر
وگر دوستی ہی تجھے دلپذیر
تو کر دل میں حسنِ وفا جائے گیر
اسی بات کو یاد رکھ اے نظیر

زراہِ وفا گر نہ پیچی عیاں
شوی دوست اندر دلِ دشمناں

۶۰۔ در صفتِ طاعت

جو رہتی ہیں طاعت میں شام و سحر
اُنھیں کو ہی عزّ و شرف بیشتر
کہاتی ہیں عالم میں روشن گہر
بہت سچ ہی جو کہہ گیا نکتہ ور

کسے را کہ اقبال باشد غلام
بود میل خاطر بہ طاعت مدام

جو مشغول طاعت ہیں لیل و نہار
بڑی اُن کی عزت ہی اور اعتبار

بزرگی میں نام ان کا ہے یادگار یقیں ہے یہی بات اے باوقار

اگر بندی از بہرِ طاعت میاں
کشاید درِ دولتِ جاوداں

جو رکھتے ہیں طاعت کا چہرہ پہ نور خجل مہر ہوتا ہے اُن کے حضور
جو چاہے کہ ہو تیرگی دل سے دُور تو اُس کو سمجھ رکھ تو اے پر شعور

ز طاعت بود روشنائیِ جاں
کہ روشن ز خورشید باشد جہاں

جو رکھتے ہیں طاعت سے آرام جاں وہی لوگ عقبیٰ میں ہوں شادماں
ملے گا انھیں کو جہاں میں مکاں تجھے ہے اگر ترس دوزخ میاں

بآبِ عبادت وضو تازہ دار
کہ فردا ز آتش شوی رستگار

جنھیں ہے شب و روز طاعت سے کام مطیع ان کا رہتا ہے عالم مدام
بھلا اُن کو کہتے ہیں سب خاص و عام یہ خوبی عیاں ہے تو پھر صبح و شام

نشاید سر از بندگی تافتن
کہ دولت بطاعت تواں یافتن

جو طاعت سے دل کو لگاتے ہیں یاں سعید ان کو کہتے ہیں اہلِ جہاں
انھیں میں تو روشن دلی کی ہے شاں جو دیکھا تو عالم ہے اے مہرباں

سعادت ز طاعت میسّر شود
دل از نور طاعت منوّر شود

جو کرتے ہیں طاعت کو یاں اختیار شب و روز رکھتے ہیں طاعت سے کار
وہی ہیں ہنرمند اور بختیار اسی پر نظر کر لے اے ہوشیار

ز طاعت نہ پیچد ہنرمند سر
کہ بالائے طاعت نباشد ہنر

ہوئے ہیں جو طاعت سے روشن ضمیر انھیں خلق کہتی ہے پیر اور فقیر
جو چاہے کہ دل ہو تجلّی پذیر تو لازم ہے تجھکو بھی پھر اے نظیر

پرستندۂ آفرینندہ باش
در ایوان طاعت نشیندہ باش

۶۱- در صفت عبادت

جنھیں حق پرستی ہے یاں بیشتر بڑے وہ تونگر ہیں اور بختور

صفت ان کی ہوتی ہی شام و سحر دلا تو بھی اس کو یقیں جان کر

اگر حق پرستی کنی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں دولتِ اتقا دل ان کا ہی پاکیزگی سے بھرا
ملے ہی سعادت انھیں پر ملا بھلا چاہے اپنا تو اے باصفا

ز تقویٰ چراغِ رواں بر فروز
کہ چوں نیکبختاں شوی نیک روز

جو پڑھتے ہیں خالق کی دل سے نماز ملے ہی انھیں عزت و امتیاز
جو چاہی کہ ہو جائے تو سرفراز تو دایم جہاں میں بہ عجز و نیاز

نماز از سرِ صدق بر پائیدار
کہ حاصل کنی دولتِ پائیدار

نہیں فسق سے کام کوئی بتر تو دامن کو اس سے نہ آلودہ کر
تجھے اُس سے لازم ہی کرنا حذر اسی کو یقیں جان لے بہرہ ور

اگر دور باشی ز فسق و فجور
نباشی ز گلزارِ فردوس دور

جو سمجھے شریعت کی باتیں بجا کرے پیروی ان کی دل سے سدا
نظیر اس کو محشر میں خطرہ ہے کیا سخن ہے یہ اہلِ خرد کا کہا

کسے را کہ از شرع باشد شعار
نترسد ز آشوب روز شمار

۶۲- در مذمتِ عصیاں

بُرائی ہی عصیاں میں بالکل میاں نہیں کچھ بھلائی کا اس میں نشاں
جو خوشنودیِ خالقِ دو جہاں تجھے چاہیے ہے یہاں اور وہاں

دلا عزم عصیاں مکن زینہار
کہ فردا نباشی ز حق شرمسار

جو ہوتے ہیں دنیا میں عصیاں شعار وہی کھینچتے ہیں مذمت کے بار
اگر ہے تو کچھ عاقل و ہوشیار تو اس کو یقیں جان اے غمگسار

ز عصیاں کند ہوشمند احتراز
کہ از آب باشد شکر را گداز

کرے گا گنہ تو جو یاں روز و شب تو ہوگا ترا سب میں عاصی لقب

ترا نور دانش چھپے گا یہ سب سمجھ رکھ یہی دل میں ای باادب

کند نیکبخت از گنہ اجتناب
کہ پنہاں شود نور مہر از سحاب

۶۳- در تعریف شکر

تجھے شکر کرنے سے ہے افتخار تجھے شکر کرنے سے ہی اعتبار
کہ شکر آب ہی تو شجر میوہ دار تامل کر اور غور اے ہوشیار

ز شکرِ جہاں آفریں سر متاب
کہ در باغ دیں شکر او ہست آب

جو کرتے ہیں یاں شکر شام و سحر فزوں نعمت اُن کی ہی اور سیم و زر
اگر دولت و بخت کا کچھ اثر تجھے دیکھنا ہی تو اے بہرہ ور

زیادت کند شکر جاہ و جلال
زیادت کند شکر مال و منال

جو ہیں رُتبۂ شکر کے قدرداں نہیں شکر سے چپ وہ رکھتے زباں
کیا کرتے ہیں دمبدم شکر یاں تجھے بھی یہ لازم ہی اے مہرباں

نفس جز بہ شکرِ خدا بر میار

کہ واجب بود شکر پروردگار

جو کچھ نعمتیں تجھکو بخشی ہیں یاں　　　وہ ہیں بے زباں اور تری اک زباں

کریگا تو کس کس کا شکر اے میاں　　　جو شاکر ہے تو اس کو تحقیق جان

اگر شکر حق تا بروزِ شمار

گزاری نباشد یکے از ہزار

نہ دے شکر سے تو بھی لب کو قرار　　　زباں کو ہلا شکر میں بار بار

نظیر اس سخن کو تو کر اعتبار　　　ادا گرچہ تجھسے نہ ہو زینہار

ولے گفتن شکر اولیٰ تر است

کہ اسلام را شکر او زیور است

۶۴- در صفتِ صبر

صبوری کی دولت بڑی ہے میاں　　　جنھیں ہے وہ رکھتے ہیں آرام جاں

ہر اک اس سے خوش اور دل شادماں　　　صبوری کی کیا کیا کہوں خوبیاں

دلا کر صبوری کی کُنی اختیار

بدست آوری دولتِ پائدار

صبوری میں ہے اس قدر مرتبا کہ ہے صابروں کے دل اوپر لکھا
نہیں لکھی جاتی ہے اس کی ثنا غرض یہ سخن سُن تو اے پارسا

صبوری بود کارِ پیغمبراں
نہ پیچند زیں روئے دیں پروراں

صبوری کی رہ میں تو رکھکر قدم نہ مقصد کے ملنے سے ہو پر الم
نہ آنے دے خاطر میں کچھ درد و غم یقیں کر اسی بات پر دمبدم

صبوری تُرا کامگاری دہد
ز رنج و بلا رستگاری دہد

صبوری جو کرتے ہیں یاں صبح و شام تو ان کے صبوری سی جاری ہیں کام
ملے ہے انھیں رتبہ و احترام یقیں کر یہی بات ای نیک نام

صبوری کشاید درِ کام جاں
کہ جز صابری نیست مفتاح آں

صبوری کرے گا جو دل سے یہاں تو ہو گی تری اُس میں خوبی عیاں
نہ گھبرا کسی کام میں میری جاں نصیحت پہ سعدی کی رہ جاودان

صبوری کنی گر ترا دیں بود
کہ تعجیل کارِ شیاطیں بود

جو کچھ ہے ترا مقصد و مُدّعا نہیں گر وہ جلدی سے ہوتا روا
برآنے میں اُس کی میاں غم نہ کھا یقیں اس کو تو جان اے دلربا

صبوری کلیدِ درِ آرزوست
کشایندہٗ کشورِ آرزوست

جو کچھ آرزو جی میں ہی تیری یاں نہ ملنے کا ہی رنج دل میں نہاں
جو چاہی ملے تجھکو اُس کا نشاں اسی کو یقیں دل میں رکھ جاوداں

صبوری برآرد مُرادِ دلت
کہ از عالماں حل شود مشکلت

اگر ہے تو دامِ بلا میں اسیر وگر ہی تری طبع کلفت پذیر
نہ لا رنج دل میں قلیل و کثیر کہا ہی بزرگوں نے یوں ای نظیر

صبوری بہرحال اُولےٰ بود
کہ در ضمنِ آں چند معنی بود

۶۵- در صفت شراب عشق گوید

مئے عشق ہی وہ نشاط التیام کہ اُس کا نشا ہی جنھیں صبح و شام

جلد سوم

انھیں کو ہی دن رات عیشِ مدام — تو بس جلد لے کر صراحی و جام

بدہ ساقی آں آبِ آتش لباس
کہ مستی کند اہلِ دل التماس

وہ مَے جس سے ہی چشمِ دل کو نگاہ — نہ کیوں کر ہو سو جان سے اُن کی چاہ
وہ ہی جانِ عشاق بے اشتباہ — بہار اس کی کیا کیا کہوں واہ واہ

مےِ لعل در ساغرِ زرنگار
بود روح پرور چو لعلِ نگار

جنھیں شوق ہی یاں مےِ عشق کا — عجب ان کے دل کو ہی ملتا مزا
چڑھا ہی جو اس مے کا اُن کو نشا — تو کیفیت اُس کی کہوں اب میں کیا

خوشا لذّتِ شوق اربابِ عشق
خوشا لذّتِ ذوق اصحابِ عشق

جو عشاق ہیں اُن سی مت کر حجاب — انھیں لطف سی اپنے کر کامیاب
دل اُن کا جو کرتا ہی مستِ خراب — تو لا ساقیا بھر کے جامِ شراب

شرابے چو لعلِ روان بخش یار
شرابے مصفّا چو روئے نگار

جو ہی عاشقوں کو غمِ جاں گزا — تجھے اُس کی لازم ہے کرنی دوا — جلدسو
جو چاہی خمار اُن سے ہووے جدا — تو جلدی سے اے ساقیِ دل رُبا

بیار آں شرابے چو آبِ حیات
کہ یابد ز بویش دل از غم نجات

وہ سُرخی نہیں آنکھوں میں بھر رہی — عجب مشعلِ عشق روشن ہوئی
کبھی سرخوشی اور کبھی بے بسی — کہوں کیا میں اس کے سوا اس گھڑی

خوشا ہی پرستی ز صاحبدلاں
خوشا ذوقِ مستی ز اہلِ دلاں

کیا جس نے دل دوستی پر فدا — قدم راہِ اُلفت میں اپنا رکھا
رہا ملتجی جلوۂ یار کا — صفت اُس کی یارو کہوں اور کیا

خوشا دل کہ دارد تمنائے دوست
خوشا دل کہ در بند سودای اوست

جو مشتاقِ نظارۂ یار ہے — اُسی کو محبت سزاوار ہے
اُسے کب کسی سی بیاں کار ہی — نظر اُس کے لب پر یہ ہر بار ہی

خوشا دل کہ شید ہست بر روی دوست
خوشا دل کہ شد منزلش کوی دوست

۶۶ - در صفت راستی

جو رکھتے ہیں یاں راستی میں کمال　　وہی فی الحقیقت ہیں فرخندہ حال
دل ان کا چمکتا ہے اختر مثال　　انھیں نیک باتوں پہ کرکے خیال

دلا گر کنی راستی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا اثر　　بزرگی میں ہوتے ہیں وہ نامور
اُسی حسن و خوبی پہ کرکے نظر　　کہا شیخ سعدی نے ای پُر ہنر

نہ پیچد سر از راستی ہوشمند
کہ از راستی نام گردد بلند

جو ہیں راستی میں یہاں کامیاب　　نہیں ان کے دل کو ذرا رنج و تاب
دہن کی ہی بو اُن کے مثلِ گلاب　　جو پوچھے تو سن لے فراست مآب

بہ از راستی در جہاں کار نیست
کہ در گلبنِ راستی خار نیست

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا شعار　　انھیں کا ہی عالم میں عز و وقار

وہ ہوتے ہیں مقبولِ پروردگار سمجھ کر یہی بات اے کامگار جلد۳

دم از راستی گر زنی صبح وار
زتاریکیِ جہل گیری کنار

جنھیں راستی کی خوش آئی ہے طیب وہ ہیں گلشنِ صدق کے عندلیب
جو ناراستی سے کے ہو اعنقریب سمجھ اُس کا انجام اے خوش نصیب

کسے راکہ ناراستی گشت کار
کجا روزِ محشر شود رستگار

جو رکھتے ہیں یاں راستی پر نگاہ انھیں کی بہت لوگ کرتے ہیں چاہ
بزرگی سے ہوتا ہی اُن کا نباہ جو ہی تو عقیل اور دانش پناہ

مزن دم بجز راستی زینہار
کہ دارد فضیلت ہمیں بر بسیار

رہی گا تو ناراستی میں اسیر تو سب کی نگاہوں میں ہوگا حقیر
یہاں اور وہاں ہوگی ذلّت کثیر اسی کو یقیں دل میں کر اے نظیر

زناراستی نیست کارے بتر
کزو گم شود نامِ نیک اے پسر

۶۷- در مذمتِ دروغ

جسے جھوٹ کہتے ہیں اہلِ جہاں وہ سینے کی ہے تیرگی کا نشان
خرد کی ضیا کو ہے کرتا نہاں نہیں یاد کیا قول دانشوراں

کسے را کہ گردد زبانِ دروغ
چراغِ دلش را نباشد فروغ

کرے گا جو تو جھوٹ کو اختیار طبیعت رہیگی الم سے فگار
کرے گا نہ کوئی ترا اعتبار یقیں جان لے اس کو اے ہوشیار

ترا شرمساری نماید دروغ
بکاذب در غم کشاید دروغ

اگر جھوٹ بولے گا تو ہر زماں تو ہو گا خجل سب میں تو اے میاں
کریں گے حذر تجھسے اہلِ جہاں ہمیشہ یقیں کر اسے میری جاں

ز کذاب گیرد خردمند عار
کہ او را نیارد کسے در شمار

جسے جھوٹ رکھتا ہے کچھ شاد ہا اُسے خوار کرتا ہے پھر ہر زماں

سراسر بدی اس کے ہی درمیاں
اگر اعتبار اپنا چاہے تو یاں

دروغ اے برادر مگو زینہار
کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

جسے جھوٹھ ہوتا ہے یاں دلپذیر
وہ ہوتا ہے یاں منفعل اور حقیر
نہیں اُس کی توقیر کرتے فقیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہی اے نظیر

دروغ آدمی را کند شرمسار
دروغ آدمی را کند بے وقار

۶۸۔ در صفت حق تعالےٰ شانہٗ

جہاں میں نئے رنگ کی ہیں چلن
عیاں ہے عجب طرز کی انجمن
تجھے دیکھنے ہیں جو طور زمن
تو چشم تاملؔ سے اے یار من

نگہ کُن دریں گنبد زرنگار
کہ سقفش بود بے ستون استوار

کہیں باغ و بُستاں کہیں نیستاں
کہیں کوہ و صحرا کہیں بحر و کاں
کہیں ہے بہار اور کہیں ہے خزاں
انھیں دیکھکر پھر تو اے مہرباں

سراپردۂ چرخ گردندہ ہیں
دروشمعہائے فروزندہ ہیں

تامّل ذرا کرتو پھر اور ہیں ہر اک وضع میں اور ہر اک طور میں
جو دیکھا تو ٹھہرا یہی غور میں کہ کیا کیا ہیں نقشے عیاں دور میں

یکے پاسبان و یکے بادشاہ
یکے دادخواہ و یکے تاج خواہ

کہیں دعوتوں کی ہیں تیاریاں نشاط و طرب کی ہوا داریاں
کہیں رنج و غم کی گرفتاریاں غرض ہیں عجب کچھ نمو داریاں

یکے شادمان و یکے دردمند
یکے کامران و یکے مستمند

کہیں بیکسی اور کہیں دستگاہ کہیں بے وقاری کہیں عز و جاہ
پڑے کیوں نہ حیرت میں جا کر نگاہ غرض کچھ عجبیاں کی ہے رسم و راہ

یکے بر حصیر و یکے بر سریر
یکے در پلاس و یکے در حریر

کہیں سختی و رنج سے ہائے ہے کہیں درد و اندوہ سے وائے ہے

کہیں محفلِ عیش پیرائے ہی عجائب تماشے کی یہ رائے ہی
یکے راعنا و یکے راغنا
یکے رابقا و یکے رافنا
کہیں بے زری اور کہیں گنج زر کہیں خامشی اور کہیں شور و شر
کہیں غمزدہ اور کہیں شادتر نئی طرح کایاں کا دیکھا اثر
یکے بینوا و یکے مالدار
یکے نامراد و یکے کامگار
کہیں صبح عشرت کہیں شام غم کہیں خرمی اور کہیں ہے الم
کہیں مہربانی کہیں ہے ستم جہاں میں جہاں دیکھو یہ ہی ہم
یکے در تبسم یکے در عذاب
یکے در مشقت یکے کامیاب
کہیں شادمانی کہیں غم کشی کہیں کہنگی اور کہیں تازگی
کہیں دل کی قوت بسست جی غرض کچھ عجب طرح ہی یاں کی ہی
یکے تندرست و یکے ناتواں
یکے سال خورد و یکے نوجواں

کہیں نرم وصنعی کی چلتے ہیں راہ　　کہیں سخت گوئی کہیں مہر و جاہ
کہیں لطف ہے اور کہیں ظلم و آہ　　عجب ڈھنگ دیکھی ہے یہ بزم گاہ

یکے نیک خلق و یکے تند خوئے
یکے بردبار و یکے جنگ جوئے

کہیں ہے ہدایت کہیں گمرہی　　کہیں راستی اور کہیں کجروی
کہیں پارسائی کہیں مے کشی　　جہاں میں عجب دھوم ہے مچ رہی

یکے در صواب و یکے در خطا
یکے در دعاؤ یکے در دغا

کہیں ہے نشاط و طرب ہر زماں　　بہارِ چمن نغمۂ بلبلاں
کہیں کلفتِ دل ہے رخ پر عیاں　　کہاں تک کہوں یاں کی نیرنگیاں

یکے در گلستانِ راحت مقیم
یکے با غم و رنج و محنت ندیم

کہیں بادۂ عیش ہے موج زن　　پری زاد بیٹھی ہیں نازک بدن
کہیں رنج و غم سے لگی ہے لگن　　غرض کچھ عجب ڈھب کی ہے انجمن

یکے را فروزندہ شمع طرب
یکے را ز غم روز روشن چو شب

کہیں شادکامی کے ہیں کاروبار　　عیاں سیم وزر کے ہیں نقش و نگار
کہیں رنج و غم سے ہی خاطر فگار　　عجب طرز کے ہیں چلن آشکار
یکے را بروں رفتہ ز اندازہ مال
یکے در غمِ نان و چرخِ عیال

کہیں ہیں تر و تازگی کے نشاں　　خوشی خرمی قہقہے خوبیاں
کہیں رنج و افسردگی ہی عیاں　　عجب ڈھب کا ہی آج رنگِ جہاں
یکے چوں گُل از خرمی خندہ زن
یکے را دل آزردہ خاطر حزن

کہیں عزو اجلال ہے بیشمار　　نمایاں ہی باغِ چمن کی بہار
کہیں قیدِ غم سے ہی دل داغدار　　جہاں ہیں عجب رنگ ہے آشکار
یکے در جہانِ جلالت امیر
یکے در کمندِ حوادث اسیر

کہیں پارسائی کا اقبال ہے　　عبادت سے ہر ایک خوشحال ہے
کہیں طبع عصیاں کی دنبال ہے　　غرض کچھ عجب یاں کا احوال ہے
یکے بستہ از بہرِ طاعت کمر
یکے در گنہ بردعمرے بسر

جلد سوم

کہیں راہ و رسمِ مناجات ہے تلاوت ہے تقویٰ ہے طاعات ہے
کہیں بادہ و چنگ دن رات ہے عجب آئینہ یاں طلسمات ہے

یکے را شب و روز مصحف بدست
یکے خفتہ در کنج میخانہ مست

کہیں علم کا ہو رہا ہے کمال معانی کی ہے بحث اور قیل و قال
کہیں ہیں جہالت کے دل میں خیال عجب رنگ کی ہے یہاں چال ڈھال

یکے عالم و مقبل و ہوشیار
یکے جاہل و مدبر و شرمسار

کہیں تو شریعت کے اقرار ہیں مسائل کی بحثیں ہیں تکرار ہیں
کہیں منکری میں گرفتار ہیں عجب رنگ پریاں کے اطوار ہیں

یکے بر درِ شرع مسمار وار
یکے در رہِ کفر زنّار دار

کہیں خواہشِ مرشدِ رہنما کہ ارشاد لاویں سب اس کی بجا
کہیں فاجری مرتدی ہے بپا غرض یاں عجب رنگ ہے مچ رہا

یکے نیک کردار نیک اعتقاد
یکے غرق در بحرِ فسق و فساد

کہیں زور و قوت میں ہیں اُستوار جہاد اُن سے ہوتے ہیں نت آشکار
کہیں ضعف سے چھپتے پھرتے ہیں زار عجب طرح کا یاں کا ہے کاروبار

یکے غازی و چابک و پہلواں
یکے بزدل و سست ترسندہ جاں

کہیں دین و ایماں سے ہیں نیک نام حسابوں میں لکھتے ہیں دینار و دام
کہیں ہیں گرفتار کفر و ظلام عجب طور کا یاں کا ہے انتظام

یکے کاتب اہلِ دیانت ضمیر
یکے دُزد باطن کہ ناشد دبیر

زمانے میں ہیں یہ بھی نیرنگیاں کہیں کچھ ہے ظاہر کہیں کچھ عیاں
انھیں دیکھ کر ہو نہ غافل میاں جو بھولا تو بھولا مگر مہرباں

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار
کہ ناگہ ز جانت برآرد دمار

جو حشمت ترے پاس ہے بیشمار تو اُس کا بھروسہ نہ کر زینہار
نہیں اس کے رہنے کا کچھ اعتبار اگر عقل ہے تجھکو اے ہوشیار

مکن تکیہ بر مُلک جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودہ است بعد از تو ہم

اگر ہے جہاں میں تو دارا نشاں سپہ بھی بہت ہے ترے ہمعناں
اگر ہے تو دانشور و کامراں نہ تو اُس پہ نازاں تو اے مہرباں

مکن تکیہ بر لشکرِ بیعدد
کہ شاید ز نصرت نیابی مدد

اگر حکم اور ملک ہے بیشتر تو ہرگز بھروسا تو اُس کا نہ کر
یہ ہوتا ہی دم میں اُدھر سے اِدھر عجب کہہ گیا سعدیِ نکتہ ور

مکن تکیہ بر ملک و فرماندہی
کہ ناگہ چو فرماں رسد جاں دہی

اگر تجھکو شوکت سے ہے احترام تو مغرور اُس پر نہو صبح شام
جو کچھ عقل سی تجھکو رہتا ہے کام تو زنہار اے صاحبِ احتشام

مکن شادمانی بجاہ و جلال
کہ بے خوف نقصاں نباشد کمال

جہاں میں اگر تو ہے کشورستاں سب اسبابِ دولت کے ہیں تیری یاں
نہو اس پہ مغرور ہرگز میاں اگر ہے تو دانشور و اہلِ شاں

مکن تکیہ بر ملک و تاج و لوا
کہ ناگہ در آید سپاہِ بلا

جو آگے تھے یاں صاحبِ زیب و فر ‏ ‏ کہاں ہیں وہ اب دل میں ٹک غور کر
نہیں استقامت کا اس جا اثر ‏ ‏ تھے اگلے زمانہ میں بھی جلوہ گر

بسا بادشاہانِ سلطان نشاں
بسا پہلوانانِ کشور ستاں

جہاں کا یہی ہے چلن اے جواں ‏ ‏ کہ رہتا نہیں یاں کوئی جاوداں
ہوئی ہے بہاروں کی آخر خزاں ‏ ‏ سوا اس کے تھے زیبِ باغِ جہاں

بسا ماہرویانِ شمشاد قد
بسا نازنینانِ خورشید خد

عجب زیب و زینت سے تھے بہتریں ‏ ‏ کہاتے تھے محبوب اور نازنیں
کوئی مہروش اور کوئی مہ جبیں ‏ ‏ اسی طرح تھے زیبِ روئے زمیں

بسا نو عروسانِ آراستہ
بسا خوبرویانِ نوخاستہ

ہیں اب جس طرح گلبدن نوجواں ‏ ‏ اسی طور آگے بھی تھے دلستاں
یہی دلفریبی یہی شوخیاں ‏ ‏ بصد ناز و انداز رہتے تھے یاں

بسا نامدار و بسا کامگار
بسا سرو قد و بسا گلعذار

وہ ایسا ہی رکھتے تھے حسن و جمال کہ تھے گلشنِ ناز کے نو نہال
بہت خوشنما اور شیریں مقال کہوں کیا ہوا اُن کا انجام حال

کہ کردند پیراہنِ عمر چاک
کشیدند سر در گریبان خاک

فنا ہو گئے سب وہ زیبا صنم کہ تھے دامِ دل جن کی زلفوں کے خم
عجب شوخیاں اور طرزِ ستم کروں کیا بیاں اب میں باچشم نم

چناں خرمنِ عمرِ شاں شد بباد
کہ ہرگز کسے زاں نشانی نداد

یہاں میں عیاں ہیں یہی کاروبار تو غفلت میں رہکر نہو شرمسار
زمانے کا ہرگز نہیں اعتبار جو کچھ عقل ہی تجھکو تو زینہار

منہ دل بریں منزلِ جانستاں
کہ در وے نہ بینی دلے شادماں

جو دل کو لگا وی گا غفلت سے یاں رہیگا الم میں بشور و فغاں
اگرچہ دل آویز ہے یہ مکاں نہیں رہنے کا تو یہاں جاوداں

منہ دل بریں کاخ خرم ہوا
کہ می بارد از آسماں صد بلا

رہیگا جو غفلت میں یاں مُبتلا　　وہ پاوے گا ہر لحظہ رنج و عنا
ندامت بھی کھینچے گا اس کے سوا　　اگر ہے تجھے عقل و فہمِ رسا

منہ دل بریں دیر کہنہ خراب
کہ خالی نباشد ز رنج و عذاب

جو غفلت تری دل میں ہی جاگیر　　تو ہو گا کمندِ الم میں اسیر
لگیں گے طبیعت میں کلفت کے تیر　　جو آرام چاہے تو ہرگز نظیر

منہ دل بریں دیر ناپائدار
ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

۶۹ - اِدبارِ قوم

ختم جب اقبال کا ہو تا ہی دَور　　سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کی طور
خصلتیں ان کی نہیں رہتیں درست　　فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سُست
بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا　　بندوں کے حق اور حقوق خدا
ملتی ہی ہر چند کہ مُہلت انھیں　　پر کبھی ہوتی نہیں عبرت انھیں
جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار　　ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

جلد سوم

کارگزارانِ قضا و قدر کرتے سزا سے نہیں پھر درگزر
کرتے ہیں سلب ان کی لیاقت کبھی لیتے ہیں چھین ان سے حکومت کبھی
دیتے ہیں دولت کبھی ان کی لٹا علم کبھی دیتے ہیں ان کا مٹا

اس پہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

۷۰۔ جہلِ مُرکّب

حالی

کسی نے یہ بُقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مُہلک ہیں کیا کیا
کہا دُکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر ان کو سُجھائیں تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چُرائیں یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دُنیا میں اس قوم کا ہے　　بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے　جلد سوم
کنارا ہے دُور اور طوفاں بپا ہے　　گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

حالی

۱۷۔ انصاف پسندی

سعادت بڑی اس زمانہ کی یہ تھی　　کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قولِ حق سے خموشی　　نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی
غلاموں سے ہو پاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا
نبی نے کہا تھا جنھیں فخرِ اُمّت　　جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
سلّم تھی عالم میں جن کی عدالت　　رہا مفتخر جن سے تختِ خلافت
وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے در در
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سُن کر

مگر ہم کہ ہیں دام و دد ہم سے بہتر نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر
نہ اقران و امثال میں ہم موقر نہ اجداد و اسلاف کے ہم میں جوہر
نصیحت سے ایسا بُرا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں
اُسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے اَن بَن سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن
یہی عیب ہے سب کو کھویا ہے جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے

حالی

۴۷۔ آفتِ نفاق

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا چنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا
مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ
سُوجھتی ملت کی نہیں کوئی بات یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات
زید کا ہے عمرو سے ظاہر ملاپ دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے تاپ

رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں
جس کو جسے دیکھئے ہے بدگماں

ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے
دوسرا خواہاں کہ زک اس کو ملے

دیکھئے جس کو وہی اس تاک میں
یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر
جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

حالی

۴۷- انجامِ اتفاق

مُلک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کے ٹھوکریں کیونکر

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

ایک کا ایک ہوگیا بدخواہ
لگی غیروں کی تم پہ پڑنے نگاہ

پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی

پاؤں اقبال کے اُکھڑنے لگے
ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے

کبھی چڑھ کر کسی نے گھر لوٹا
کبھی آ کر کسی نے زر لوٹا

جلد ۴

کبھی اُس نے ہی قتلِ عام کیا کہیں اس نے ہی آ غلام کیا

ملک روندے گئے ہیں پیروں سے

چین کس کو ملا ہے غیروں سے

حالی

۷۴۔ نفسانیت

فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد

ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا

رہتے وہ اہلِ علم ہیں اس طرح پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح

عیب والوں کا ہے اگر پٹھا شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار خوشنویسوں کو ہے یہی آزار

لاکھ نیکوں کا کیوں نہ ہو اک نیک دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک

نسخہ اک طب کا جس کو آتا ہے سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ ہے ہماری طرف سے وہ گونگا

جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات وہ نہیں کرتا سیدھی منہ سے بات

کام کندلے کا جس کو ہے معلوم | ہو زمانے میں اس کے بخل کی دھوم
الغرض جس کے پاس ہو کچھ چیز | جان سے بھی سوا ہو اس کو عزیز
سب کمالات اور ہنر ان کے | قبر میں ان کے ساتھ جائیں گے

قوم پر ان کا کچھ نہیں احساں
ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں

حالی

۷۵۔ تصنّع

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر | ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار | عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اس کے ہیں نہ اس کے آشنا | گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم | گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقیں | کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب | کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم | کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر

کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی | شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر

ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب | ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر

عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو | جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر

خیر کا ہوتا ہی ظن غالب جہاں | کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر

بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو | عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر

دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست

ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

حالی

۷۶- ہمارے تعلیم یافتوں کا بخل

تربیت یافتہ ہیں جو یاں کے | خواہ بی اے ہوں اس میں یا ایم اے

بھرتے حبِ وطن کا گو دم ہیں | پر محبِ وطن بہت کم ہیں

قوم کو ان سے جو امیدیں تھیں | اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں

ہسٹری ان کی اور جوگرفی | سات پردوں میں منہ دئے ہے پڑی

بند اس قفل میں ہے علم ان کا | جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہی پتا

پیتے ہیں اپنی دل ہی دل میں مزے — گویا گونگے کا گُڑ ہیں کھائے ہوئے
کرتے پھرتے ہیں سیرِ گُل تنہا — کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا
اہلِ انصاف شرم کی جا ہے — گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے
تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ — تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ
یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج — ہموطن اس کے ہیں بہت محتاج
منہ کو اک اک تمہارے ہے تکتا — کہ نکلتا ہے منہ سے آپ کے کیا
آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے — کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کئے
قوم پر کرتے ہو اگر احساں — تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں
کچھ دنوں عیش میں خلل ڈالو — پیٹ میں جو ہے سب اُگل ڈالو

علم کو کر دو کو بکو ارزاں
ہند کو کر دکھاؤ انگلستاں

حالی

۶۷۔ تعلیم یافتہ نوجوان

اک مجمعِ ثقات میں میرا گزر ہوا — انگریزی دانوں پر تھی وہ سب ہوریہ نقا
ارشاد اک طرف سے ہوا مجھکو دیکھکر — انگریزی پڑھنے والوں پہ حضرت بھی ہیں فدا

اور لطف یہ کہ جانتے خود ناک بھی نہیں پر رشتہ نبی کا ہے حضرت کو چاندنا

روزے کے نام سے چڑیں کہہ دیں بھاگ کو بھوکا نہیں ہماری عبادت کا کچھ خدا

قطرہ نہ غم اور نہ مساکین پر دری ان کی بلا سے بھوکے ہیں گر خویش اقربا

اگلی سی وضع اور نہ اگلی سی گفتگو وہ خلق وہ مروت و الفت وہ وفا

حج کا خیال اور نہ زیارات کی امنگ شوقِ حدیث اور نہ قرآں سے دل کو حظ

ذکر فضائل نبوی ہو اگر کہیں بے دل ہو وہاں سے دل کی چڑ سے بھاگ کھڑا

واقف جو ہو لیکچر و بطرس ہی نگاہ کے اس کی جو بحث ہو تو مسلم کر لیا

لندن کا ذکر کیجیے لٹریچر پڑھیے پر یہ خبر نہیں ہے کہ کعبہ کدھر رہا

جب ایسی پود پیدا کی ہو سے قوم میں
فرمایئے کہ قوم کو کیا اس سے فائدہ

سید علمدار حسین

۸۶ - مہذب بیوی

پردے پردے میں وہ نکلتی تھی ساتھ گھونگھٹ نکالے چلتی تھی
جس طرف دونوں مل کے جاتے تھے انگلیاں لوگ ادھر اٹھاتے تھے

بولیاں کوئی بولتا تھا کھرا — کوئی نظروں میں تولتا تھا کھرا — جلد سوم

جو نئی روشنی پہ مرتے تھے — چل کے لاحول مجھ پہ کرتے تھے

کہتے تھے کوئی کیوں یہ چل بیٹھے — اب زمانہ وہ ہے کہ کھل کھیلے

سات پردوں میں ہو تو باہر آ — آنکھ سے ہو تو تماشا بن کر آئے

چاند کا ابر میں نہ ڈالا کوئی — اب نہ گھونگھٹ کبھی نکالا کوئی

حاضری ہو چلی تو پہ بیٹھے — ساتھ میں ہو لی اپنے شوہر کے بیٹھے

بات بیوی کے ٹھیک یہ بھائی

اپنے گانے کی خوب دھن پائی

بولی شوہر سے ہم سے سن لو آہ — ہے نگوڑی تمہاری اچھی راہ

چھوڑ دو آج سے پرانی چال — کام آتا نہیں پرانا مال

خلق کو ہے نیا چلن ہی پسند — [illegible]

میرا اب سے نہ یہ چلن ہوگا — میں نئی ہوں نیا فیشن ہوگا

میں نئی روشنی میں چمکوں گی — میں ہوا کھائی میں چل کے دمکوں گی

میرے گھونگھٹ نکالنے والی — ناس ہو برقع ڈالنے والی

گہنا زیور وہ ہے جو رنگ کا — سر پہ ٹیکا ہے کنگن کا ٹیکہ

جلد سوم

پاؤں پڑنے نہ دوں چھڑے کو اب — ماروں پاپوش سر کر ٹے کو اب

اب تو بالی بلائے جاں ہی ہے — طوق ہی یا گلے کی پھانسی ہے

اب جو پاؤں گی کان کی مچھلی — کدا ہی جاؤں گی کان کی مچھلی

یہ کہاں کا مُوا پتوڑا ہے — آنت شیطاں کی ہی کہ توڑا ہے

اپنی سوں سے یہ نہیں چین اچھے — اس سے تو پھر کبھی [illegible] لچھے

داد مردوں کی [illegible] گی — چوڑیاں ہاتھ [illegible] پہنوں گی

ہاں قسم ہے خدا کے [illegible] — [illegible] کی ہے

اب نہ گھر میں آسکے [illegible]

خون کر ڈالوں گی جو آئے [illegible]

چیر ڈالوں گی لہنگے ساڑی کو — یہ پچھتا دُکسی اناڑی کو

چولی انگیا سے کوئی کام نہیں — کارسٹ اب نہ لوں تو نام نہیں

گھا گھری اب نہ خاک پہنوں گی — میں تو صاحب فراک پہنوں گی

پاؤں کے موزے اب نہ بھولوں گی — بوٹ بنواؤں گی میں شو لوں گی

سر پہ چادر نہ پاؤں میں لتری — ویل مُنہ پر ہو۔ ہات میں چھتری

اب نہ ہرگز ڈروں گی میں تم سے

اُلٹا پوچھی کروں گی میں تم سے

سن کے باتیں یہ اپنی بی بی سے ہیں بھی ہارا تھا بد نصیبی سے
یعنی اس وضع میں بڑی گت تھی
آبرو تھی نہ اس میں عزت تھی

طالب بنارسی

۹۔ نصیحت قوم

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یاں ہیں آزادی رائے پہ جو کہ نازاں
چلن پہ ہیں جو قوم کے اپنی خنداں مسلماں ہیں سب جن کے نزدیک ناداں
جو ڈھونڈو گے یاروں کے ہمدرداں میں
تو نکلیں گے تھوڑے جواں مرداں میں

نہ رنج ان کے افلاس کا ان کو اصلا نہ فکر ان کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا اڑانا مگر مفت ایک اک کا خاکا
کہیں ان کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں ان کی خوراک کو نام دھرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا نشانہ انہیں پھبتیوں کا بنانا

جلد سوم شماتت سے دل بھائیوں کا دکھانا — یگانوں کو بیگانہ بن کر چڑانا

نہ کچھ درد کی چوٹ ان کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خون کا چشم تر میں

کوئی ان سے پوچھے کہ اے ہوش والو — کس امید پہ تم کھڑے ہنس رہے ہو
برا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو — نہ چھوڑے گا [illegible]

بچیں گے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

حالی

۵۵ - ہمدردِ قوم

ہو کوئی اپنی قوم کا ہمدرد — نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد
قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے — قوم کا حال بد نہ دیکھ سکے
قوم سے جان تک عزیز نہ ہو — قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو
سمجھے ان کی خوشی کو راحتِ جاں — واں جو نوروز ہو تو عید یہاں
رنج کو ان کے سمجھے مایۂ غم — واں اگر سوگ ہو تو یاں ماتم

بھول جائے سب اپنی قدر جلیل — دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل

[illegible]

[illegible]

جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد — بندۂ قوم ان کے ہیں زن و مرد

[illegible] — قوم کی [illegible]

[illegible] — قوم پر [illegible]

[illegible] — [illegible]

اہل ہمت کما کے لاتے ہیں — اہل وطن فائدے اٹھاتے ہیں

کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری — علم اور ہنر جن سے ہیں بھاری

اور کہیں کھلتے ہیں مکتب قائم — جن سے حکمت و ادب قائم

کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر — کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک [illegible] لاتا ہے — دوسرا اس کو کر دکھاتا ہے

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے — بنتے ہیں سینکڑوں شفاخانے

ہیں سدا اس ادھیڑ بن میں سب — کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے — ملک [illegible] پہنچیں فائدے جس سے

قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام | خواہ ان میں سفر ہو خواہ مقام
سینکڑوں گل رخ اور مہ پارے | لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے
جان اپنی لیے ہتیلی پہ | کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کی سفر
شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے | پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے
جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل | ملک کا آئے کوئی کام نکل
کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں | مر گئے سینکڑوں پہاڑوں میں
لکھے جب تک جیے سفر نامے | چل دیے ہاتھ میں قلم تھامے
گو سفر میں اٹھائے رنج کمال | کر دیا پر وطن کو مالا مال
ہیں اب ان کے گواہ حبِّ وطن | در و دیوارِ پیرس و لندن

کہیے دنیا کا جس کو باغِ جناں
ہے فرانس آج یا ہے انگلستاں

حالی

۱۸۔ غمگساریِ قوم

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت | جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزت | جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
انھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

بہت دل ہیں نرم اندنوں ہوتے جاتے　　کہ حالت پہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے
تنزل پہ ہیں اس کے آنسو بہاتے　　نہیں آپ کچھ کرکے لیکن دکھاتے

خبر بھی ہے دل ان کے جلتے ہیں کس پہ
وہ ہیں آپ ہی ہاتھ ملتے ہیں جس پہ

رئیسوں کی جاگیرداروں کی دولت　　فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت　　ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت

جچے تب کچھ آنکھوں میں اہل وطن کی
جو کام آئے بہبود میں انجمن کی

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت　　جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلت
رہی ہے نہ ہرگز رہیگی سلامت　　نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت

وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہوگی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا　　تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا

جلدسوم

انھیں ساتھ لے لیکے ہو بیاں سی جاتا فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا

سدا ان کے ہیں اس طرح کام چلتے

کمائی سے ایک اک کے ہیں لاکھ پلتے

جب اک چھوٹا جس میں نہ دانش نہ حکمت بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت

معیشت سے ایک اک کو بخشے فراغت کرے ان پہ وقف اپنی ساری غنیمت

تو اس سے زیادہ ہی بے عزتی کیا

کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور

فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو برتر خدا کا بنے جو کہ دُنیا میں مظہر

نہو مردمی کا نشاں اس میں اتنا

مسلّم ہے مٹّی کے کیڑوں میں جتنا

حالی

۸۲ — برکتِ اتفاق

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بنا

ڈھیلوں سی چُنتا ہوں حصارِ حصیں ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں

ملک ہیں آباد مری ذات سے — یمن ہے اک مری کرامات سے
میرا ہی جس ملک میں جاری عمل — واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل
میرے تصرف میں ہے جو سرزمیں — واں کوئی بیکس کوئی تنہا نہیں
ایک ہو زخمی تو ہیں سب دلفگار — ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار
ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب — پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب
آگ اگر گھر میں لگی ایک کے — قوم میں گھر گھر دھوئیں اٹھنے لگے
کل کی مصیبت میں ہیں کل مبتلا — ایک پر آتی نہیں کوئی بلا
ضعف دباتا نہیں ان کو کبھی — رکھتے ہیں کمزور بھی واں دل قوی
غم نہیں افلاس کا مفلس کو واں — ایک کا افلاس ہے سب پر گراں
ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار — ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

حالی



معارفِ ملّت

جلد سوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعثِ مشکوری ہوگا اُمید کہ طبع آیندہ میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ احمدی۔ نواب غلام احمد خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن کرنال وفات مدفن علی گڑھ

صفحہ

(۳۵) تماشائے عالم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۰۰

جلد سوم ۲-اکبر- سید اکبر حسین صاحب صفحہ

ولادت وطن الہ آباد

۳- بینظیر- سید محمد منظیر شاہ صاحب وارثی

ولادت وطن کڑا مانک پور

۴- جوہر- محمد شفیع خاں صاحب

ولادت وطن

۵- حالی- خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

۶۔ حکیم۔ خلیفہ عبدالحکیم صاحب پروفیسر

ولادت وطن

۷۔ درد۔ خواجہ میر صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۳۱ھ وطن دہلی وفات ۱۱۹۹ھ مدفن دلّی

۱۹۔ نظم۔ مولوی علی حیدر صاحب طباطبائیؒ

ولادت وطن لکھنؤ

۲۰۔ نظیر۔ شیخ ولی محمدؐ صاحب مرحوم

ولادت وطن اکبرآباد وفات مدفن

صفحہ جلدسوم

۲۱ - ہوس

ولادت وطن

*

پروفیسر محمدؐ الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کی اُردو تصنیفات

سلسلۂ منتخبات نظم اُردو

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہی کہ اُردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن وعشق اور گل وبلبل کی داستان ہی۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ اصحاب اس سلسلۂ انتخاب کو ملاخطہ کریں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دُھنتے ہیں ان کی ہم پلّہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر وسخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہی۔ اُمید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ اصحاب کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبّت پیدا ہوگی اور

ان کی قدر دانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَوْر شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اُردو کی منتخب نظموں کو مضمون وار حسب ذیل ترتیب دیکر خوشنما جلدوں میں شائع کیا ہی:-

(۱) معارف ملت:- حمد۔ نعت۔ مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ تین جلدوں میں قیمت فی جلد (عہ) (سکۂ انگریزی) اور عہ۲ (سکۂ عثمانی)

(۲) جذباتِ فطرت:- سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالب ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تین جلدوں میں۔ قیمت بشرح صدر

(۳) مناظرِ قدرت:- اوقات۔ مقامات۔ مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقعہ۔ تین جلدوں میں۔ قیمت بشرح صدر۔

یہ کتابیں ہندوستان کے اکثر صوبوں کے مدارس میں باضابطہ منظور ہو چکی ہیں اور عام طور پر بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں۔

کم از کم سنو جلد کے خریدار کو ۲۰ فیصدی کمیشن

معاشیات

(۱) علم المعیشت۔ اکنامکس (Economics) پر اردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہی۔ مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہی کہ کتاب کے مطالعہ سی نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہوجاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہی۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہی۔ لطف یہ کہ یونیورسیٹوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہی۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہی کہ اکنامکس پر اردو میں سب سے پہلی کتاب ہی اور ہر لحاظ سے مکمل" ضخامت تقریباً ۔۔ ۹ صفحہ خوشنما جلد۔ سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو دوسرا ایڈیشن حال میں شائع ہوا ہی۔ قیمت ۔۔ ۔۔ صہ

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۰۰ ۹ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ منجانب جامع عثمانیہ شائع ہوگی۔ تیار ہو رہی ہے۔

(۳) **مالیات**۔ پبلک فنانس (Public Finance) پر اُردو زبان میں یہی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیونکر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے۔ ضخامت تخمیناً ۰۰ ۶ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمۃ المعاشیات** - مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹرڈوکشن ٹواکنامکس (*Introduction to Economics*) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعۂ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی ضخامت تقریباً۔ ۵۴ صفحہ۔ مجلد۔ منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہی۔

(۵) **معاشیات ہند** - مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (*Indian Economics*) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جامعۂ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہی۔

(۶) **برطانوی حکومتِ ہند** - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (*British Administration in India*) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہی۔ یہ کتاب بھی جامعۂ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی۔ ضخامت تقریباً ۵۰۲ صفحہ مجلد۔ منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

"سلسلۂ دعوتِ صدق"

اَسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی۔ ام اے۔ ال ال بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین و اکابرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب۔ اور ان کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحققات کا لبِ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن توحید اور اُس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب۔ کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ۔ ایک ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون ہ لھم ما یشاؤن عند ربھم ذالک جزاؤ المحسنین ہ

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں اُن کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ قابل دید ہے حجم تقریباً ۵۰۰ صفحہ اکثر قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول

ملنے کا پتہ: محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ